ابوطالب کی خیر کامل نجات کا بیان

ایضاح المطالب فی نجاۃ ابی طالب

تحریر

طارق انور مصباحی

ناشر

اعلیٰ حضرت ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سوسائٹی توپسیا: کلکتہ

نام رسالہ: ایضاح المطالب فی نجاۃ ابی طالب

تحریر: طارق انور مصباحی

اشاعت: جمادی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ

نومبر ۲۰۲۴ء

صفحات: ایک سواڑتالس (۱۴۸)

ناشر: اعلیٰ حضرت ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سوسائٹی

(توپسیا: کلکتہ)

فہرست مضامین

مقدمہ

بسم اللّٰہ الر حمٰن الرحیم::الحمد للّٰہ رب العٰلمین

و الصلٰوۃ و السلام علٰی شفیع المذنبین و آلہ و اصحابہ اجمعین

گیارہ صدیوں بعد نجات ابوطالب کے نظریہ کا آغاز

ایمان ابوطالب سے متعلق جو دلائل وشواہد پیش کیے جاتے ہیں، وہ ’’شرح المطالب فی حکم ابی طالب‘‘ کے سوال نامہ میں موجود ہیں اور امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے ان تمام شواہد کی تر دید فرما دی ہے۔رسالہ حاضرہ میں علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی کے رسالہ: ’’اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب‘‘ کے مشمولات ومندرجات پر معروضات مرقوم ہیں۔

علامہ سید احمد بن زینی دحلان حسنی مکی شافعی (۱۲۳۲ھ-۱۳۰۴ھ-۱۸۱۶ء-۱۸۸۶ء) نے رقم کیا کہ انہوں نے علامہ سید محمد بن رسول برزنجی (۱۰۴۰ھ-۱۱۰۳ھ) کا ایک رسالہ حضور اقدس نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی نجات کے بارے میں دیکھا جس کے خاتمہ میں ابوطالب کی نجات کو ثابت کیا گیا تھا۔

علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی نے اسی کتاب کی تلخیص وتسہیل اپنی جانب سے کچھ حذف واضافہ کے ساتھ ’’اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب‘‘ کے نام سے رقم فرمائی۔

(اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص 31-دار الامام النووی عمان)

گیارہویں صدی ہجری کے اخیر میں ذی قعدہ ۱۰۸۸ھ میں سید محمد برزنجی (۱۰۴۰ھ-۱۱۰۳ھ) کے مذکورہ رسالہ کی تصنیف مکمل ہوئی تھی۔(اسنی المطالب:ص 121)

اسنی المطالب کی تصنیف شعبان ۱۳۰۳ھ میں مکمل ہوئی۔(اسنی المطالب:ص 122)

گیارہ صدیوں بعد خلاف اجماع جو نظریہ ظاہر ہو، وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتا ہے۔

اس رسالہ میں خاص طور پر تین امور کا ذکر ہے:(1)ابوطالب کو وہ تصدیق (اذعان

وقبول) حاصل نہیں تھی جو تصدیق ایمان کہلاتی ہے۔ابوطالب کو مذہب اسلام کی حقانیت اور حضور اقدس نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی صداقت کی معرفت ضرور حاصل تھی،لیکن معرفت اور تصدیق دوجداگانہ امر ہیں۔اسی معرفت کو روافض ایمان کہتے ہیں اور اسی سبب سے روافض ابوطالب کو مومن کہتے ہیں۔علامہ برزنجی نے اسی معرفت کو تصدیق بتادیا،حالاں کہ یہ تصدیق شرعی نہیں جو ایمان ہے، بلکہ یہ معرفت ہے جیسا کہ یہود ونصاریٰ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقانیت وصداقت کی معرفت حاصل تھی۔

(2)ابوطالب کے پاس کوئی ایسا عذر نہیں تھا جس کے سبب عدم اقرار کے لیے وہ معذور ہوں۔اگر کوئی قابل قبول عذر ہوتا تو حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقرار کا مطالبہ ہی نہیں فرماتے۔اقرار کا مطالبہ ہی اس بات پر دلیل ہے کہ ابوطالب کو شرعی عذر حاصل نہیں تھا۔بالفرض عدم اقرار کے لیے یہ عذر تھا کہ ابوطالب کے مومن ہوجانے کے سبب لوگ ان کی سرداری کو تسلیم نہیں کریں گے اور لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ظلم کریں گے تو یہ عذر عام حالات میں ہوسکتا ہے،لیکن بوقت موت یہ عذر نہیں ہوسکتا، کیوں کہ جانے والا اب جارہا ہے۔اب موت کے سبب ان کی سرداری ختم ہونے والی ہے۔

حضور اقدس تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب سے اقرار اسلام کا مطالبہ اس وقت کیا تھا جب ابوطالب کی موت کا وقت قریب ہو چکا تھا۔آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کلمہ اسلام کہہ دیں،تاکہ میں دربار الٰہی میں آپ کی شفاعت کرسکوں۔

(3)ایمان واسلام اگر چہ معنی ومفہوم کے اعتبار سے جدا ہیں،لیکن دونوں کا مصداق ایک ہے،یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی مومن ہو،اور مسلم نہ ہو،اور کوئی مسلم ہو،لیکن مومن نہ ہو۔ علامہ برزنجی نے ایمان واسلام میں تفریق کردی اور ابوطالب کو باطنی مومن ثابت کردیا اور اہل سنت وجماعت کے دلائل کی ناقابل قبول تاویل کردی۔یہ تاویل اصول کے موافق نہیں۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ العظیم

باب اول

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ واصحابہ اجمعین

نظریہ نجات کے خلاف اجماع ہونے کا اقرار

علامہ سید احمد بن زینی دحلان شافعی مکی نے خود بھی اقرار کیا ہے کہ اسلاف اہل سنت میں سے کسی نے نجات ابوطالب کی بات نہیں کہی ہے، یعنی نجات ابوطالب کا قول سب سے پہلے سید محمد بن رسول برزنجی (۱۰۴۰ھ-۱۱۰۳ھ) نے اپنے مذکورہ رسالہ کے خاتمہ میں کیا۔ اس رسالہ کی تصنیف ذی قعدہ ۱۰۸۸ھ میں مکمل ہوئی (اسنی المطالب: ص 121)، یعنی قریباً گیارہ صدیوں تک مومنین ابوطالب کی عدم نجات پر متفق تھے۔ گیارہ صدیوں بعد کوئی شخص نئی بات کہے جو اسلاف کرام کے نظریہ کے خلاف ہو تو اس کی تردید کی جائے گی، نہ کہ تائید۔

علامہ برزنجی نے ابوطالب کے عدم اقرار پر عذر شرعی گڑھ لیا اور احادیث نبویہ کی بھی ناقابل قبول تشریح کر ڈالی۔ شرح المطالب میں برزنجی نظریات کا رد وابطال موجود ہے۔ صرف برزنجی افکار ونظریات اور شرح المطالب کی تردیدی عبارات واقتباسات کو منطبق کرنے کی ضرورت ہے۔ بوقت مطالبہ یعنی بوقت موت ابوطالب کو کوئی عذر شرعی نہیں تھا۔

برزنجی نظریہ کا اہم رد یہ ہے کہ وہ نظریہ اسلاف اہل سنت وجماعت کے خلاف ہے۔

علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی نے تحریر کیا: (**قد وقفت علیٰ تالیف جلیل للعلامة النبیل مولانا السید محمد بن رسول البرزنجی المتوفی سنة الف ومائة وثلاثة فی نجاة ابوی النبی صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم–وذیله فی آخره بخاتمة فی نجاة ابی طالب عم النبی صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم واثبت نجاته واقام ادلة علیٰ ذلک وبراهین من الکتاب والسنة واقوال العلماء–یحصل لمن تأملها انه ناج بیقین مع بیان معان صحیحة للنصوص**

التی تقتضی خلاف ذلک-حتی صارت جمیع النصوص صریحۃ فی نجاتہ-وسلک فی ذلک مسلکًا ما سبقہ الیہ احد)

(اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص 31-دارالامام النووی عمان)

ترجمہ: میں صاحب فراست علامہ مولانا سید محمد بن رسول برزنجی (متوفی ۱۱۰۳ھ) کی ایک جلیل القدر تالیف پر مطلع ہوا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی نجات کے بارے میں اور سید برزنجی نے اس کے آخر میں ایک خاتمہ ابوطالب عم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نجات کے بارے میں وضع کیا اور اس میں ابوطالب کی نجات کو ثابت کیا اور اس پر دلائل قائم کیا اور قرآن وحدیث سے براہین اور علما کے اقوال لکھا، جو ان پر غور کرے، اسے معلوم ہو جائے گا کہ ابوطالب یقینی طور پر نجات پانے والے ہیں، ان نصوص کے صحیح معانی کے بیان کے ساتھ جو اس کے خلاف (عدم نجات) کا تقاضا کرتی ہیں، یہاں تک کہ تمام نصوص ابوطالب کی نجات میں صریح ہوگئیں اور اس بارے میں سید برزنجی نے ایسا مسلک اختیار کیا کہ ان سے پہلے کوئی اس جانب نہیں گئے۔

(الف) کسی کی نجات کا یقین اس بات پر موقوف ہے کہ ایمان پر اس کی موت کا یقین حاصل ہو۔ ایمان پر ابوطالب کی موت کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی متواتر روایت یا قرآن مقدس کی کوئی صریح آیت طیبہ نہیں، پھر ابوطالب کی نجات کا یقین کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ صحیح روایتیں کفر پر ابوطالب کی موت کو بتاتی ہیں۔

(ب) غیر صریح (غیر مفسر) نصوص یعنی غیر مفسر آیت یا غیر مفسر حدیث اللہ تعالیٰ عز وجل یا حضور اقدس سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بیان قطعی سے صریح (مفسر) ہوتی ہیں، نہ کہ کسی امتی کے بیان سے، پھر ابوطالب کی عدم نجات کو بتانے والی نصوص سید محمد برزنجی کے بیان سے کیسے صریح (مفسر) ہوگئیں؟ یا اللہ ورسول (عز وجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جانب سے بیان قطعی موجود تھا اور گیارہ صدیوں تک کوئی عالم اسے سمجھ نہ سکے؟

سوال:اس نئی بات کی ایجاد کے سبب سید محمد برزنجی (م۱۱۰۳ھ) پر کیا حکم وارد ہوگا؟

جواب:امید یہی ہے کہ ان کو اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ کفر ابو طالب پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے۔اگر اجماع کا علم ہوتا تو امید یہی تھی کہ اختلاف نہیں کرتے:واللہ اعلم

اسی طرح علامہ دحلان مکی کو بھی اجماع کا علم نہ ہو سکا۔انہوں نے اسی کتاب(اسنی المطالب:ص۱۱۴) میں رقم کیا کہ امام قرطبی،امام سبکی اور امام شعرانی نے نجات ابو طالب کا قول کیا ہے اور اسی کتاب (اسنی المطالب:ص۱۳۹) میں تحریر کیا کہ امام قرطبی مالکی،امام سبکی شافعی و امام شعرانی شافعی سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کو زندہ فرمایا اور پھر ابو طالب نے حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لایا،پھر اس کی موت ہو گئی۔اسی صفحہ میں رقم کیا کہ عدم نجات ابو طالب کا قول متفق علیہ نہیں ہے۔اس سے واضح ہو گیا کہ اس مسئلہ کے اجماعی ہونے کا علم علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی کو نہ ہو سکا۔

برزنجی طرز استدلال اور تقویۃ الایمان

علامہ دحلان مکی نے برزنجی نظریات کی تائید کی ہے۔ہر مومن کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ ابو طالب ایمان لے آتے تو کیا خوب ہوتا۔شاید اسی تمنا کی زیادتی نے سید محمد برزنجی کو جدید نظریہ کی ایجاد پر اور علامہ دحلان شافعی کو اس جدید نظریہ کی تائید پر برانگیختہ کیا۔امت مسلمہ بے قابو ہونے کی کوشش نہ کرے۔ایمان ابو طالب یا نجات ابو طالب کا نظریہ غلط ہے۔

سید محمد برزنجی کا طرز استدلال ویسا ہی ہے جیسا کہ تقویۃ الایمان میں اسماعیل دہلوی (۱۱۹۳ھ-۱۲۰۶ھ) کا طریق استدلال ہے۔تقویۃ الایمان میں آیات مقدسہ و احادیث طیبہ کے خود ساختہ معانی و مطالب بتا کر امت مسلمہ کو گمرہی کے خندق میں دھکیل دیا گیا ہے۔

سید برزنجی کا طرز استدلال اور اسلوب بحث مناظرانہ تھا اور جدلی طریقوں سے شرعی مسائل و دینی احکام ثابت نہیں کیے جاتے ہیں،بلکہ شرعی اصول و ضوابط کی روشنی میں اسلامی

احکام کا ثبوت ہوتا ہے۔علامہ برزنجی نے اپنی تصانیف میں جدلی طریقوں کو استعمال کیا ہے۔

(1)علامہ سید احمد دحلان نے تحریر فرمایا:(**ووصفه بكثرة العلم والعمل وقوة الفكر والفهم والادراک والاقتدار على الجدل واقامة الحجة والبرهان بحيث انه فى اكثر محاوراته يقلب حجة خصمه ويجعلها حجة عليه كمارائيت فى هذه الرسالة**)(اسنی المطالب:ص123-دارالامام النووی عمان)

ترجمہ:(علامہ شیخ محمد مرادی دمشقی حنفی (۱۱۷۳ھ-۱۲۰۶ھ) نے اپنی کتاب''سلک الدرر فی وفیات اعیان اہل القرن الثانی عشر)میں علامہ برزنجی کی وصف بیانی کی کثرت علم وعمل،قوت فکر،فہم وادراک اور جدل ومناظرہ پر قادر ہونے اور حجت وبرہان قائم کرنے سے ،اس طرح کہ وہ اپنے اکثر مباحث میں اپنے خصم کی دلیل کو پلٹ دیتے اور اس کو اس کے خلاف دلیل بنا دیتے،جیسا کہ تم نے اس رسالہ(رسالہ نجات ابی طالب)میں دیکھا۔

(2)علامہ سید احمد بن زینی دحلان شافعی مکی نے سید برزنجی کی سات تصانیف کا ذکر کر کے تحریر کیا:(**وله مؤلفات كثيرة غير ذلک كلها من اعجب الاعاجيب**)

(اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص125-دارالامام النووی عمان)

ترجمہ:ان کے علاوہ برزنجی کی بہت سی تصانیف ہیں۔وہ تمام بہت تعجب خیز امور سے ہیں۔

سید برزنجی کی تمام تحریریں بہت ہی عجیب وغریب ہیں۔ان عجائب میں بہت سے امور شرعی اصول وقوانین کے خلاف بھی ہیں۔سب سے اہم یہ کہ مناظراتی طور پر شرعی احکام کا ثبوت نہیں ہوتا ہے اور سید برزنجی نے اسی طرز استدلال سے عجیب امور کا اثبات کیا ہے۔

(3)نجات ابوطالب کی بحث میں بھی سید محمد برزنجی نے وہی مناظراتی طرز استدلال اور جدلی طریق اثبات اختیار کیا ہے اور اسلاف کرام کے نظریہ سے روگردانی کی ہے۔

علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی نے سید برزنجی کے مذکورہ رسالہ سے متعلق رقم فرمایا:

(**وسلک فى ذلک مسلكًا ما سبقه اليه احد-بحيث ينقاد لادلته**

کل من انکر نجاته وجحد-وکل دلیل استدل به القائلون بعدم نجاته،قَلَّبَهُ علیهم وجعله دلیلا لنجاته-وتتبع کل شبهة تمسک بها القائلون بعدم النجاة-وازال ما اشتبه علیهم بسببها-واقام دلیلا علیٰ دعواه)

(اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص 31-دارالامام النووی عمان)

ترجمہ:سید محمد برزنجی نے اس بارے میں ایسا مسلک اختیار کیا کہ ان سے پہلے کوئی اس جانب نہ گئے ۔اس طرح کہ ان کی دلیلوں پر ہر وہ شخص تنقید کرے گا جو ابوطالب کی نجات کا انکار کرے اور ہر دلیل جس سے ابوطالب کی عدم نجات کے قائلین نے استدلال کیا،علامہ برزنجی نے اس دلیل کو انہیں لوگوں پر پلٹ دیا اور اس کو ابوطالب کی نجات کی دلیل بنا دیا۔

اور ہر شبہے کا تتبع کیا جس سے عدم نجات کے قائلین نے استدلال کیا اور اس کو زائل کیا جس کی وجہ سے وہ ان حضرات پر مشتبہ ہو گیا تھا اور اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کیا۔

اتنی سخت محنت ومشقت کے باوجود علامہ سید محمد برزنجی کا خیال اس جانب نہ جا سکا کہ احادیث نبویہ میں بھی ابوطالب کی کامل نجات کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ناقص نجات کا ذکر ہے۔

واضح رہے کہ جدلی طریقوں سے شرعی احکام کا ثبوت نہیں ہوتا۔تفصیل درج ذیل ہے:

(4)امام بدرالدین زرکشی شافعی (۷۴۵ھ-۷۹۴ھ) نے رقم فرمایا:(**القائلون بالتقلید اوجبوا التقلید فی هذه الاعصار ومستندهم فیه انهم استوعبوا الاسالیب الشرعیة فلم یبق لمن بعدهم اسلوب متماسک علی السبر.**

ولهٰذا لما احدثت الظاهریة والجدلیة بعدهم خلاف اسالیبهم،قطع کل محق انها بدع ومخارق،لا حقائق-ولکن الجدلیة یعترفون بان الشریعة لا تثبت بتلک الاسالیب الجدلیة-وانما عمدتهم فی استحداثها تمرین الاذهان وتفتیح الافکار)(البحر المحیط:جلد ششم:ص 291)

ترجمہ:تقلید کے قائلین نے ان زمانوں میں تقلید کو واجب قرار دیا اور اس (وجوب

تقلید) کے بارے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ فقہائے متقدمین نے شریعت کے تمام طریقوں کا احاطہ کرلیا، پس مابعد والوں کے لیے کوئی قابل استناد طریقہ بالکل باقی نہ رہا اور اسی لیے جب ان فقہائے متقدمین کے بعد ان کے طریقہ کے برخلاف ظاہر یہ (داؤد بن علی ظاہری (۲۰۲ھ-۲۷۰ھ) کے متبعین) اور جدلیہ پیدا ہوئے تو ہر اہل حق نے یقین کرلیا کہ یہ بدعتیں ہیں اور (خلاف اجماع) جھوٹی باتیں ہیں، نہ کہ (سچی) حقیقتیں، لیکن جدلیہ فرقہ تو وہ لوگ اعتراف کرتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ ان جدلی طریقوں سے ثابت نہیں ہوتی ہے اور اس طریقہ کے ایجاد کرنے میں ان کا مقصد ذہنوں کی مشاقی اور فکروں کو کھولنا ہے۔

طبقہ جدلیہ درحقیقت اجتہاد کے جھوٹے دعوایداروں سے مناظرہ کرنے والی جماعت کا نام ہے۔ ان حضرات نے اجتہاد کے جھوٹے دعویداروں کی حقیقت کو ظاہر کیا اور ان مدعیان اجتہاد کے جھوٹے دعویٰ سے قوم کو مطلع کیا اور شریعت اسلامیہ کی حفاظت کی۔

سید محمد برزنجی (۱۰۴۰ھ-۱۱۰۳ھ) کے مذکورہ رسالہ کی تصنیف گیارہویں صدی ہجری کے اخیر میں ذی قعدہ ۱۰۸۸ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ (اسنی المطالب: ص 121)

اس رسالہ کی شہرت نہیں ہے، لیکن علامہ سید احمد بن زینی دحلان کا رسالہ مشہور ہے۔

اس رسالہ (اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب) کی تصنیف شعبان ۱۳۰۳ھ میں مکمل ہوئی۔ (اسنی المطالب: ص 122) اس کی تصنیف کو ایک سو تینتالس (۱۴۳) سال ہو گئے۔

اس مدت میں اس رسالہ (اسنی المطالب) کے اثرات سے بعض لوگ متاثر ہو گئے اور ابو طالب سے متعلق جدید نظریات کا ظہور ہونے لگا۔ یہ ایک حساس مسئلہ ہے۔ ایسے موضوع پر قلم اٹھانے سے قبل ہی اصحاب علم وفضل ہمت ہار بیٹھتے ہیں، لیکن امت مسلمہ کے دین وایمان کی حفاظت بھی ضروری ہے، لہٰذا برزنجی نظریات پر چند معروضات رقم کی گئی ہیں۔

گیارہ صدیوں بعد خلاف اجماع جو نظریہ ظاہر ہو، وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتا ہے۔ علامہ برزنجی نے جدلی طرز اختیار کر کے شبہات کو دلائل بنا دیا اور دلائل کو شبہات بتا دیا۔ یہ

طریق کار ہر مسئلہ میں اختیار کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ طریق کار شرعی اصول وقوانین اور اسلامی قواعد وضوابط کے مطابق قابل قبول نہیں ہوگا۔ کج فکروں کے لیے ایسی باتیں آزمائش ہیں:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا: ''وہابیوں، بلکہ سب گمرہوں کی ہمیشہ یہی حالت رہی ہے کہ ڈوبتا سوار پکڑتا ہے۔ جہاں کسی کا کوئی لفظ شاذ مہجور پکڑ لیا، خوش ہو گئے اور اس کے مقابل تصریحات قاہرہ سلف وخلف، بلکہ ارشادات صریحہ قرآن وحدیث کو بالائے طاق رکھ دیا، مگر اہل حق بحمد اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ شاہراہ ہدایت اتباع جمہور ہے۔ جس سے سہواً خطا ہوئی، اگر چہ معذور ہے، مگر اس کا وہ قول متروک ومہجور ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ: جلد 29: ص 172-173 - جامعہ نظامیہ لاہور)

عصر حاضر میں نیم رافضیت کا آغاز ایمان ابوطالب کے مسئلے سے ہوا۔ ابوطالب کو بعض لوگ ''قطب بطحا'' کہنے لگے۔ اس کے بعد تفضیل مرتضوی کا قول منظر عام پر آیا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر طعن کرنے لگے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ العظیم

باب دوم

باسمہ تعالٰی وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الاعلٰی وآلہ واصحابہ اجمعین

ابوطالب کے لیے کامل نجات نہیں

سید محمد برزنجی (۱۰۴۰ھ-۱۱۰۳ھ) نے ابوطالب کے لیے کامل نجات کا قول کیا، لیکن اسلاف کرام میں سے کسی نے کامل نجات کی بات نہیں کہی، بلکہ یہ جدید قول ہے۔

حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت، ان کی نصرت وحمایت اور کفالت کے سبب اللہ تعالیٰ عزوجل نے ابوطالب کو تمام کفار سے کم عذاب دیا۔ یہ بھی عذاب سے نجات کی ایک صورت ہے، اگر چہ یہ کامل نجات نہیں ہے، لیکن جب خود حضور اقدس نبی غیب داں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ ابوطالب کو اسی قدر نجات عطا فرمائی گئی ہے تو پھر کسی کا یہ کہنا کہ ابوطالب کو مکمل نجات ہوگی، یہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

شرح المطالب میں نجات ابوطالب سے متعلق درج ذیل احادیث طیبہ منقول ہیں:

حدیث چہارم: صحیحین ومسند امام احمد میں حضرت سیدنا عباس عم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے: **(انہ قال للنبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: ما اغنیت عن عمک فو اللّٰہ کان یحوطک ویغضب لک - قال: ھو فی ضحضاح من نار - ولولا انا لکان فی الدرک الاسفل من النار)**

وفی روایۃ (وجدتہ فی غمرات من النار فاخرجتہ الٰی ضحضاح)

یعنی انہوں نے خدمتِ اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کی: حضور نے اپنے چچا ابوطالب کو کیا نفع دیا؟ خدا کی قسم وہ حضور کی حمایت کرتا اور حضور کے لیے لوگوں سے لڑتا جھگڑتا تھا۔ فرمایا: میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو اُسے کھینچ کر پاؤں تک آگ میں کر دیا اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا۔

امام ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:(**یؤید الخصوصیة انه بعد ان امتنع شفع له حتی خفف له العذاب بالنسبة لغیره**)

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہوا کہ ابو طالب نے با آں کہ ایمان لانے سے انکار کیا، پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نے اتنا کام دیا کہ بہ نسبت باقی کافروں کے عذاب ہلکا ہوگیا۔

حدیث پنجم: صحیحین ومسند امام احمد میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

(**ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم ذکر عنده عمه ابوطالب فقال: لعله تنفعه شفاعتی یوم القیمة فیجعل فی ضحضاح من النار یبلغ کعبیه یغلی منه دماغه**)

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ابو طالب کا ذکر آیا، فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ روزِ قیامت میری شفاعت اسے یہ نفع دے گی کہ جہنم میں پاؤں تک کی آگ میں کر دیا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک ہوگی جس سے اس کا دماغ جوش مارے گا۔

یونس بن بکیر نے حدیث محمد بن اسحٰق سے یوں روایت کیا:

(**یغلی منه دماغه حتی یسیل علٰی قدمیه**) اس کا بھیجا اُبل کر پاؤں پر گرے گا۔

عمدۃ القاری وارشاد الساری شروح صحیح بخاری ومواہب لدنیہ وغیرہا میں امام سہیلی سے منقول:(**الحکمة فیه ان ابا طالب کان تابعًا لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم لجملته الا انه استمر ثابت القدم علٰی دین قومه فسلط العذاب علٰی قدمیه خاصة لتثبیته ایاهما علٰی دین قومه**)

یعنی ابوطالب کے پاؤں تک آگ رہنے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ عزوجل جزا ہم شکل عمل دیتا ہے۔ ابوطالب کا سارا بدن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت میں صرف رہا، ملتِ کفر پر ثابت قدمی نے پاؤں پر عذاب مسلط کیا۔

اسی طرح تیسیر شرح جامع صغیر وغیرہ میں ہے۔

حدیث ششم: بزار وابویعلیٰ وابن عدی وتمام حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: **(قیل للنبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم: هل نفعت ابا طالب؟ قال: اخرجته من غمرة جهنم الٰی ضحضاح منها)**

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی: حضور نے ابوطالب کو کچھ نفع دیا؟ فرمایا: میں نے اسے دوزخ کے غرق سے پاؤں کی آگ میں کھینچ لیا۔

امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں:

(فان قلت: اعمال الكفرة هباء منثورا لا فائدة فيها۔ قلت: هذا النفع من بركة رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وخصائصه)

اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ ابوطالب کو یہ نفع ملنا صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے ہے، ورنہ کافروں کے اعمال تو غبار ہیں، ہوا پر اڑائے ہوئے۔

حدیث ہفتم: طبرانی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی:

(ان الحارث بن هشام اتی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم یوم حجة الوداع۔ فقال: یا رسول اللّٰه! انی كنت علٰی صلة الرحم والاحسان الی الجار وایواء الیتیم واطعام الضیف واطعام المسكین۔ وكل هذا قد كان یفعله هشام بن المغیرة۔ فما ظنك به یا رسول اللّٰه! فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم: كل قبر لا یشهد صاحبه ان لا اله الا اللّٰه فهو جذوة من النار۔ وقد وجدت عمی ابا طالب فی طمطام من النار فاخرجه اللّٰه لمكانه منی واحسانه اِلَیَّ فجعله فی ضحضاح من النّار)

یعنی حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ نے روز حجۃ الوداع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی۔ یارسول اللہ! میں ان باتوں پر عمل کرتا ہوں، رشتہ داروں سے نیک

سلوک، ہم سایہ سے اچھا برتاؤ، یتیم کو جگہ دینا، مہمان کو مہمانی دینا محتاج کو کھانا کھلانا اور میرا باپ ہشام یہ سب کام کرتا تھا تو حضور کا اس کی نسبت کیا گمان ہے؟

فرمایا: جو قبر بنے جس کا مردہ ''لا الٰہ الا اللہ'' نہ مانتا ہو، وہ دوزخ کا انگارا ہے۔ میں نے خود اپنے چچا ابو طالب کو سر سے اونچی آگ میں پایا، میری قرابت وخدمت کے باعث اللہ تعالیٰ نے اُسے وہاں سے نکال کر پاؤں تک آگ میں کر دیا۔

مجمع بحار الانوار میں بعلامت کاف امام کرمانی شارح بخاری سے منقول:

(نفع ابا طالب اعماله ببركته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وان كان اعمال الكفرة هباء منثورا) یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے ابو طالب کے اعمال نفع دے گئے، ورنہ کافروں کے کام تو نرے برباد ہوتے ہیں۔

حدیث ہشتم: امام احمد مسند اور امام بخاری و مسلم اپنی صحاح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول ا؟ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **(اهون اهل النار عذابًا ابو طالب—وهو منتعل بنعلين من نار يغلى منهما دماغه)**

بے شک دوزخیوں میں سب سے کم عذاب ابو طالب پر ہے۔ وہ آگ کے دو جوتے پہنے ہوئے ہے جس سے اس کا دماغ کھولتا ہے۔

نیز صحیحین میں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **(ان اهون اهل النار عذابا من له نعلان و شراكان من نار يغلى منهما دماغه كما يغلى المرجل ما يرٰى ان احدا اشد منه عذابًا وانه لاهونهم عذابًا)**

دوزخ میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ ہے جسے آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے جن سے اس کا دماغ دیگ کی طرح جوش مارے گا۔ وہ یہ سمجھے گا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اسی پر ہے، حالاں کہ اس پر سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔

اسی حدیث میں امام احمد کی روایت یوں ہے:

(یوضع فی اخمص قدمیه جمرتان یغلی منهما دماغه)

اس کے تلوؤں میں انگارے رکھے جائیں گے جس سے بھیجا اُبلے گا۔

اور صحیحین میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:**(یقول اللّٰه لاهون اهل النار عذابًا یوم القیمة:لو ان لک ما فی الارض من شیء اَکُنتَ تفتدی به فیقول:نعم-فیقول:اردت منک اهون من هذا وانت فی صلب اٰدم ان لا تشرک لی شیئًا فابیته،ان لا تشرک بی)**

دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والے سے اللہ عزوجل فرمائے گا:تمام زمین میں جو کچھ ہے،اگر تیری مِلک ہوتا تو کیا اسے اپنے فدیہ میں دے کر عذاب سے نجات مانگنے پر راضی ہوگا؟ وہ عرض کرے گا:ہاں۔فرمائے گا:میں نے تو تجھ سے روزِ میثاق جب کہ تو پشت آدم میں تھا،اس سے بھی ہلکی اور آسان بات چاہی تھی کہ کسی کو میرا شریک نہ کرنا، مگر تو نے نہ مانا بغیر میرا شریک ٹھہرائے ہوئے۔

اس حدیث سے بھی ابوطالب کا شرک پر مرنا ثابت ہے۔

کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہے:

(قیل ان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مسح ابا طالب بعد موته وانسی تحت قدمیه-ولذا ینتعل بنعلین من النار)

یعنی کہا گیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد مرگ ابوطالب کے بدن پر دستِ اقدس پھیر دیا تھا،مگر تلوؤں پر ہاتھ پھیرنا یاد نہ رہا،اس لیے ابوطالب کو روزِ قیامت آگ کے دو جوتے پہنائے جائیں گے۔(باقی جسم بہ برکتِ دستِ اقدس محفوظ رہے گا۔)

(شرح المطالب:ص673-677-فتاویٰ رضویہ:جلد29-لاہور)

اگر ابوطالب کے بدن پر دست اقدس پھیرنے کی روایت ثابت وصحیح ہو تو تلوؤں پر

ہاتھ نہ پھیرے جانے میں حکمت الٰہی ہے کہ کافر کے لیے بنص قرآنی کامل نجات نہیں ہے، لہٰذا حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابوطالب کے تلووں پر ہاتھ نہ پھیر سکے۔

حضور اقدس رسول غیب داں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منقولہ بالا احادیث طیبہ سے ثابت ہوا کہ ابوطالب کے لیے مکمل نجات نہیں ہے۔اب کوئی امتی کہے کہ مکمل نجات ہے تو یہ بات کیسے مانی جاسکتی ہے۔ نبی کو غیب کا علم عطا فرمایا جاتا ہے۔ابوطالب پر قبر میں عذاب تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے نجات عطا فرمادی اور اب صرف دونوں قدم عذاب میں ہیں۔ یہ سب غیبی امور ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ عزوجل حضرات انبیائے کرام ومرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرماتا ہے۔حضرات انبیائے کرام ومرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا غیبی علم قطعی ہوتا ہے اور حضرات اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کو کشف والہام کے ذریعہ جو کچھ معلوم ہو، وہ ظنی ہوتا ہے۔جب حضور اقدس سید الانبیاء والمرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے ابوطالب کی غیر کامل نجات کی خبر دی تو کسی امتی کے کہنے سے کامل نجات کی بات کیسے قابل قبول ہوسکتی ہے،لہٰذا علامہ برزنجی کا قول ناقابل تسلیم ہے۔

اسلامی اصول وقوانین اور شرعی قواعد وضوابط کے اعتبار سے بھی یہ بات ناقابل قبول ہے۔جس کی موت کفر پر ہو،اس کی کامل نجات کی کوئی صورت نہیں۔کفر ناقابل معافی ہے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا:(اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُمَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ)(سورہ نساء: آیت 48)

ترجمہ: بے شک اللہ اسے نہیں بخشا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے، جسے چاہے،معاف فرمادیتا ہے۔(کنزالایمان)

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ العظیم

باب سوم

باسمہ تعالٰی وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الاعلٰی وآلہ واصحابہ اجمعین

اہل سنت وجماعت کے نظریات اور برزنجی نظریات

علامہ برزنجی نے ابوطالب کی نجات کوثابت کرنے کے لیےجن نظریات کو بنیاد بنایا ہے،وہ اہل سنت وجماعت کے نظریات نہیں ہیں۔انہوں نے فرقہ روافض،معتزلہ،حشویہ، قدریہ ودیگر فرقوں کے نظریات کو بیان کردیا اور اہل سنت وجماعت کے نظریات کی بھی ناقابل قبول توضیح کردی۔اس طرح گیارہ صدیوں بعدنجات ابوطالب کانظریہ ظہور پذیر ہوا۔

علامہ سیداحمد بن زینی دحلان نے اپنی کتاب ''اسنی المطالب''میں علامہ برزنجی کے اقوال کی تلخیص کی ہے۔علامہ برزنجی نے ایمان واسلام میں تفریق کردی اورمحض معرفت کو ایمان بتادیا،حالاں کہ یہ روافض کانظریہ ہے۔اسنی المطالب کی عبارت درج ذیل ہے۔

علامہ سیداحمد بن زینی دحلان مکی (۱۲۳۲ھ-۱۳۰۴ھ) نے رقم فرمایا:(**ان العلامة البرزنجی اثبت اوّلا حصول الایمان لابی طالب بالحجج والبراهین ثم اثبت له النجاة وخرج ذلک علٰی ارجح الاقوال عند المحققین.**

اما اثبات الایمان فانه یتوقف اوّلا علٰی معرفة معنی الایمان–ومعناه شرعًا:التصدیق القلبی بوحدانیة اللّٰه تعالٰی ورسالة النبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم والتصدیق بکل ما جاء به عن اللّٰه تعالٰی.

واما الاسلام شرعًا:فهو الانقیاد بالافعال الظاهرة الشرعیة–ویدل لهذا قوله صلی اللّٰه علیه وآله وسلم:(الاسلام علانیة والایمان فی القلب)

فقد یجتمعان–وذلک فی المصدق بقلبه المقر بالشهادتین.

وینفرد الاسلام عن الایمان فی المنافق الذی ینطق بالشهادتین

وينقاد لاحكام الاسلام ظاهرا–وهو بقلبه مكذب غير مصدق.

وينفرد الايمان عن الاسلام فى من يصدق بقلبه ولا ينطق بالشهادتين عنادًا–ولا ينقاد للافعال الظاهرة الشرعية–وذلک ککثير من علماء اليهود الذين عرفوا ان سيدنا محمدا صلى اللّٰه عليه وآله وسلم رسول صادق ولم ينطقوا بالشهادتين ولم يتبعوه ولم ينقادوا لما جاء به.

وقد قال اللّٰه تعالٰى فيهم: (يعرفونه كما يعرفون ابنائهم)

فهم لم يقروا برسالته عنادًا ويعتقدون فى قلوبهم صدقه فى دعوى الرسالة–فهؤلاء مومنون به فى الباطن مكذبون به فى الظاهر عنادًا–فلا ينفعهم الايمان الباطنى،حيث كان تكذيبهم الظاهرى عنادا.

واما اذا كان عدم الانقياد الظاهرى وعدم النطق بالشهادتين لعذر،لا لعناد–فان الايمان الباطنى ينفع صاحبه باطنا عند اللّٰه فى الدار الاخرة–و لكنه فى الظاهر يعامل معاملة الكفار–فيقال: انه كافر بحسب احكام الدنيا.

والعذر الذى يمنع من الانقياد فى الظاهر له اسباب–منها: الخوف من ظالم بان خاف ان اظهر اسلامه وانقياده ان يقتله او يؤذيه اذى لا يحتمل–او يؤذى احدًا من اولاده واقاربه–فهذا يجوز اخفاء اسلامه.

بل لو اكرهه الظالم على التلفظ بالكفر فانه يجوز له ان يتلفظ به–و قد اشار سبحانه وتعالى الى هذا بقوله: (الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان ولكن من شرح بالكفر صدرًا فعليهم غضب من اللّٰه ولهم عذاب عظيم)

ومن هذا القبيل امتناع ابى طالب من الانقياد فى الظاهر خوفًا علٰى ابن اخيه وهو سيدنا محمد صلى اللّٰه عليه وآله وسلم–فانه كان يحميه وينصره ويدفع عنه كل اذى ليبلغ رسالة ربه–وكان كفار قريش يمتنعون

من ایذاء النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم رعایۃ لابی طالب ولحمایتہ.

وکانت ریاسۃ قریش بعد عبد المطلب لابی طالب–فکان امرہ نافذا وحمایتہ عندھم مقبولۃ لعلمھم بان اباطالب علی ملتھم ودینھم–ولو علموا انہ اسلم وتبع النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم–فانھم لا یقبلون حمایتہ ونصرہ–بل کانوا یقاتلونہ ویؤذونہ ویفعلون معہ من الاذی اکثر مما یفعلونہ بالنبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم.

ولا شک ان ھذا عذر قوی لابی طالب مانع من اظھار الانقیاد الظاھر والاتباع للنبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم–فلھذا کان یظھر لھم انہ علیٰ دینھم وملتھم–وانہ انما یدفع عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لاجل القرابۃ التی بینہ وبینہ–وکانوا یعتقدون انہ انما یحمیہ وینصرہ للحمیۃ –لا للاتباع فی الدین–بل للحمیۃ التی کانت مشھورۃ بین العرب–وقد کان فی الباطن قلبہ مملوئا بتصدیقہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لما شاھدہ من المعجزات–کما سیأتی ایضاح ذلک کلہ.

وکان یأتی فی الظاھر بالفاظ تدل علیٰ ذلک وبالفاظ اخری یوھم بھا علی الکفار انہ علیٰ دینھم–ولیس متابعًا للنبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لیدفع بھا عن نفسہ الشبھۃ–والتھمۃ من انہ متبع للنبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم–لینفذوا حمایتہ ونصرہ)

(اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص32-35-دارالامام النووی عمان)

ترجمہ:علامہ برزنجی نے پہلے دلائل وبراہین سے ابوطالب کے لیے ایمان کوثابت کیا، پھراس کے لیے نجات کوثابت کیا اوراس کی تخریج محققین کے نزدیک سب سے راجح قول کے مطابق کی،لیکن ایمان کااثبات تو یہ پہلے ایمان کے معنی کی معرفت پرموقوف ہے اور

ایمان کا شرعی معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق قلبی اور ان تمام کی تصدیق جن کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے۔

لیکن شرعی طور پر اسلام تو وہ شریعت کے ظاہری افعال میں طاعت وفرماں برداری کرنا ہے اور اس پر حضور اقدس نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک دلالت کرتا ہے: (اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے)، پس کبھی اسلام وایمان جمع ہوجاتے ہیں اور یہ اپنے قلب سے تصدیق کرنے والے، شہادتین کا اقرار کرنے والے شخص میں ہے۔

اور اسلام ایمان سے جدا ہوجاتا ہے منافق میں جو شہادتین (توحید ورسالت کی شہادت) کو بولتا ہے اور ظاہری طور پر احکام اسلام کی فرماں برداری کرتا ہے اور وہ اپنے دل سے تکذیب کرنے والا ہے، نہ کہ تصدیق کرنے والا۔

اور ایمان اسلام سے جدا ہوجاتا ہے اس شخص میں جو اپنے دل سے تصدیق کرتا ہے اور عناد کے سبب شہادتین کونہیں بولتا ہے اور شریعت کے ظاہری افعال کی فرماں برداری نہیں کرتا ہے اور بہت سے علمائے یہود ایسے ہیں جنہوں نے پہچان لیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سچے ہیں اور ان لوگوں نے شہادتین کونہیں بولا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جولائے، اس کی طاعت نہیں کی۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا ہے: ان کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

پس ان لوگوں نے عناد کے سبب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہیں کیا اور اپنے دلوں میں دعوائے رسالت میں حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت کا اعتقاد رکھتے ہیں، پس یہ لوگ باطن میں حضور اقدس نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان والے ہیں، عناد کے سبب ظاہر میں ان کی تکذیب کرنے والے ہیں، پس ان کا باطنی ایمان ان کو نفع نہیں دے گا، کیوں کہ ان کی ظاہری تکذیب عناد کے سبب تھی۔

لیکن جب ظاہری نافرمانی اور شہادتین کا نہ بولنا کسی عذر کے سبب ہو، عناد کے سبب نہ ہو تو ایمان باطنی صاحب ایمان باطنی کو باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دار آخرت میں نفع دے گا، لیکن حکم ظاہر میں کفار کا معاملہ کیا جائے گا، پس کہا جائے گا کہ یہ احکام دنیا کے اعتبار سے کافر ہے اور جو عذر ظاہر میں فرماں برداری سے روکتا ہے، اس کے چند اسباب ہیں:

(1) اسی میں سے ظالم کا خوف ہے کہ اگر وہ اپنے اسلام اور ظاہری طاعت کا اظہار کرے تو خوف کرے کہ وہ اسے قتل کر دے، یا اسے ایسی اذیت دے جسے وہ برداشت نہ کر سکے، یا اس کے اولاد و اقارب میں سے کسی کو اذیت دے، پس اس کو اپنے اسلام کا اخفاء جائز ہے، بلکہ اگر ظالم اسے کفر بولنے پر مجبور کرے تو اس کے لیے کلمہ کفر بولنا جائز ہے۔

اور اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے ارشاد مبارک میں اس جانب اشارہ فرمایا: (سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو، ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے۔ (کنز الایمان)

اور اسی قبیل سے ابو طالب کا ظاہری فرماں برداری سے باز رہنا ہے، اپنے بھتیجے یعنی حضور اقدس سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خوف کرتے ہوئے، پس ابو طالب ان کی حمایت و نصرت کرتے اور ان سے ہر تکلیف کو دور کرتے، تاکہ وہ (حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنے رب تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ کریں اور ابو طالب کی رعایت اور اس کی حمایت کی وجہ سے کفار قریش حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف دینے سے باز رہتے۔

اور حضرت عبد المطلب کے بعد قریش کی سرداری ابو طالب کے پاس تھی، پس قریش کے یہاں ان کا حکم نافذ تھا اور ان کی حمایت مقبول تھی، کیوں کہ قریش کو علم تھا کہ ابو طالب ان کفار کی ملت و مذہب پر ہیں اور اگر وہ لوگ جان لیتے کہ ابو طالب نے اسلام قبول کر لیا اور حضور اقدس نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کر لی تو وہ لوگ اس کی حمایت و نصرت کو قبول نہیں کرتے، بلکہ ابو طالب سے قتل و قتال کرتے اور اس کو تکلیف دیتے اور اس کے

ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ تکلیف دینے والے کام کرتے۔

اور کوئی شک نہیں کہ یہ ابوطالب کے لیے قوی عذر ہے، ظاہری فرماں برداری اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع سے روکنے والا عذر ہے، اسی لیے ابوطالب ظاہر کرتے کہ وہ قریش کے دین وملت پر ہیں اور وہ اپنے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان قرابت ورشتہ داری کے سبب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہیں، نہ کہ دین میں اتباع کی وجہ سے، بلکہ اس حمیت کی وجہ سے جو اہل عرب کے درمیان مشہور تھی اور معجزات کے مشاہدہ کے سبب باطن میں ابوطالب کا قلب حضور اقدس نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق سے بھرا ہوا تھا جیسا کہ اس کی وضاحت آئے گی۔

اور ابوطالب بظاہر ایسے الفاظ کہتے جو اس عذر پر دلالت کرتے اور دوسرے الفاظ کہتے جن سے کفار کو وہم ہوتا کہ وہ ان کے مذہب پر ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبع نہیں ہیں، تا کہ ان الفاظ کے ذریعہ اپنی ذات سے شبہ اور تہمت کو دور کریں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبع ہیں، تا کہ کفار قریش ان کی حمایت ونصرت کو نافذ کریں۔

منقولہ بالا عبارت کے اہم اقتباسات پر متعدد ابواب میں بحث کی گئی ہے۔حسب ضرورت اقتباسات کے تراجم مقام بحث میں منقول ہیں۔اصل عبارت اسی مقام پر ہے۔

ایمان واسلام میں تفریق معتزلہ وحشویہ کا نظریہ

اگر چہ ایمان واسلام کے معانی میں کچھ فرق ہے، لیکن دونوں کا مصداق ایک ہی ہوتا ہے، یعنی جو مومن ہوگا، وہ مسلم بھی ہوگا اور جو مسلم ہوگا، وہ مومن بھی ہوگا۔ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص مومن ہو، اور مسلم نہ ہو، یا کوئی شخص مسلم ہو، اور مومن نہ ہو۔یہ اہل سنت وجماعت کا نظریہ نہیں، بلکہ معتزلہ وحشویہ کا نظریہ ہے۔علامہ برزنجی نے ایمان واسلام کے مصداق میں تفریق کردی اور معتزلہ وحشویہ کا نظریہ بیان کردیا۔اسی طرح محض معرفت کو ایمان بتادیا،

حالاں کہ یہ روافض وقدریہ کا مذہب ہے۔اس طرح نجات ابوطالب کا نظریہ ظہور پذیر ہوا۔

علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا:(**وذهبت الحشوية وبعض المعتزلة الى تغايرهما نظرًا الٰى ان لفظ الايمان ينبئ عن التصديق فيما اخبر اللّٰه تعالٰى علٰى لسان رسله–ولفظ الاسلام عن التسليم والانقياد–ومتعلق التصديق يناسب ان يكون هو الاخبار ومتعلق التسليم الاوامر والنواهى–وتمسكًا باثبات احدهما ونفى الأخر كقوله تعالٰى:(قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا**)(شرح المقاصد: جلد پنجم:ص209-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ:حشویہ اور بعض معتزلہ ایمان واسلام کے متغایر ہونے کا مذہب اپنائے،اس کو دیکھتے ہوئے کہ لفظ ایمان اس کی تصدیق کو بتاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان سے خبر دی اور لفظ اسلام تسلیم وفرماں برداری کو بتاتا ہے اور مناسب ہے کہ تصدیق کا تعلق خبروں سے ہو،اور تسلیم کا تعلق اوامر ونواہی سے ہو،اور استدلال کرتے ہوئے ایک کے اثبات اور دوسرے کی نفی سے ،جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک :(گنوار بولے :ہم ایمان لائے۔تم فرماؤ!تم ایمان تو نہ لائے۔ہاں،یوں کہو کہ ہم مطیع ہوئے)(کنزالایمان)

علامہ برزنجی نے یہی نظریہ اختیار کیا کہ بعض لوگ مومن ہوتے ہیں اور مسلم نہیں اور بعض لوگ مسلم ہوتے ہیں اور مومن نہیں۔یہ ایمان واسلام کے مصداق میں تفریق ہے۔

ایمان سے متعلق ’’اسنی المطالب‘‘ کے اقتباس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

’’علامہ برزنجی نے پہلے دلائل وبراہین سے ابوطالب کے لیے ایمان کو ثابت کیا ، پھر اس کے لیے نجات ثابت کیا اور اس کی تخریج محققین کے نزدیک سب سے راجح قول کے مطابق کی،لیکن ایمان کا اثبات تو یہ پہلے ایمان کے معنی کی معرفت پر موقوف ہے اور ایمان کا شرعی معنی ہے:اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق قلبی اور ان تمام کی تصدیق جس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضور اقدس شفیع

محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے۔

لیکن شرعی طور پر اسلام تو وہ شریعت کے ظاہری افعال میں طاعت وفرماں برداری کرنا ہے اور اس پر حضور اقدس نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک دلالت کرتا ہے: (اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے) پس کبھی اسلام و ایمان جمع ہو جاتے ہیں اور یہ اپنے قلب سے تصدیق کرنے والے، شہادتین کا اقرار کرنے والے شخص میں ہے۔

اور اسلام ایمان سے جدا ہو جاتا ہے منافق میں جو شہادتین (توحید و رسالت کی شہادت) کو بولتا ہے اور ظاہری طور پر احکام اسلام کی فرماں برداری کرتا ہے اور وہ اپنے دل سے تکذیب کرنے والا ہے، نہ کہ تصدیق کرنے والا۔

اور ایمان اسلام سے جدا ہو جاتا ہے اس شخص میں جو اپنے دل سے تصدیق کرتا ہے اور عناد کے سبب شہادتین کو نہیں بولتا ہے اور شریعت کے ظاہری افعال کی فرماں برداری نہیں کرتا ہے اور بہت سے علمائے یہود ایسے ہیں جنہوں نے پہچان لیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سچے ہیں اور ان لوگوں نے شہادتین کو نہیں بولا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو لائے، اس کی طاعت نہیں کی۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ان کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

پس ان لوگوں نے عناد کے سبب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہیں کیا اور اپنے دلوں میں دعوائے رسالت میں حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت کا اعتقاد رکھتے ہیں، پس یہ لوگ باطن میں حضور اقدس نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان والے ہیں، عناد کے سبب ظاہر میں ان کی تکذیب کرنے والے ہیں، پس ان کا باطنی ایمان ان کو نفع نہیں دے گا، کیوں کہ ان کی ظاہری تکذیب عناد کے سبب تھی۔

لیکن جب ظاہری نافرمانی اور شہادتین کا نہ بولنا کسی عذر کے سبب ہو، عناد کے سبب نہ ہو تو ایمان باطنی صاحب ایمان باطنی کو باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دار آخرت میں نفع

دے گا،لیکن حکم ظاہر میں کفار کا معاملہ کیا جائے گا،پس کہا جائے گا کہ یہ احکام دنیا کے اعتبار سے کافر ہے اور جو عذر ظاہر میں فرماں برداری سے روکتا ہے،اس کے چند اسباب ہیں"۔

(اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص32-35-دار الامام النووی عمان)

ایمان واسلام کے مصداق میں تفریق نہیں

علامہ برزنجی نے اسلام اور ایمان کے مصداق کو متغایر بتا دیا کہ بعض شخص مومن ہے اور مسلم نہیں اور بعض شخص مسلم ہے اور مومن نہیں۔یہ نظریہ اہل سنت وجماعت کا نہیں ہے، بلکہ فرقہ حشویہ اور معتزلہ کا یہ نظریہ ہے۔اہل سنت کے یہاں ایمان واسلام کا مفہوم الگ ہے ،لیکن مصداق ایک ہی ہے،یعنی جو مسلم ہوگا،وہ مومن ہوگا اور جو مومن ہوگا،وہ مسلم ہوگا۔

(1)علامہ تفتازانی نے تحریر فرمایا:(والایمان والاسلام واحد-لان الاسلام هو الخضوع والانقياد بمعنى قبول الاحكام والاذعان بها-وذلک حقيقة التصديق علٰى ما مر-ويؤيده قوله تعالٰى:(فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ:فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ)وبالجملة لا يصح فى الشرع ان يحكم علٰى احد بانه مؤمن وليس بمسلم-او مسلم وليس بمؤمن-ولا نعنى بوحدتهما سوى ذلک-وظاهر كلام المشائخ انهم ارادوا عدم تغايرهما بمعنى انه لا ينفک احدهما عن الاٰخر-لا الاتحاد بحسب المفهوم كما ذكر فى الكفاية من ان الايمان هو تصديق اللّٰه تعالٰى فى ما اخبر من اوامره ونواهيه-والاسلام هو الانقياد والخضوع لالوهيته-وذا لا يتحقق الا بقبول الامر والنهى-فالايمان لا ينفک عن الاسلام حكما فلا يتغايران) (شرح عقائد نسفیہ:ص132-مجلس برکات مبارک پور)

ترجمہ:ایمان اور اسلام ایک ہے،کیوں کہ اسلام جھک جانا اور فرماں برداری کرنا

ہے،اس کا معنی احکام کو قبول کرنا اوران کا یقین کرنا ہے اور یہی تصدیق کی حقیقت ہے جیسا کہ گزرا،اوراسی کی تائید ارشاد الٰہی کرتا ہے: (تو ہم نے اس شہر میں جو ایمان والے تھے، نکال لیے تو ہم نے وہاں ایک ہی گھر مسلمان پایا) (کنزالایمان)

اور حاصل کلام شریعت میں صحیح نہیں ہے کہ کسی پر حکم لگایا جائے کہ وہ مومن ہے اور مسلم نہیں ہے، یا مسلم ہے اور مومن نہیں ہے اور ایمان واسلام کے ایک ہونے سے ہم یہی مراد لیتے ہیں اور مشائخ اسلام کے کلام کا ظاہری معنی ہے کہ ان حضرات نے ایمان واسلام کا متغایر نہ ہونا مراد لیا،اس کا معنی ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتا ہے، نہ کہ مفہوم کے اعتبار سے متحد ہونا جیسا کہ کفایہ میں مذکور ہے کہ: ایمان اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنا ہے اس بارے میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر ونواہی کی خبر دی اور اسلام اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کی وجہ سے فرماں برداری کرنا اور جھک جانا ہے اور یہ صرف امر ونہی کے قبول کرنے سے حاصل ہوتا ہے، پس ایمان حکمی طور پر اسلام سے جدا نہیں ہوگا، پس دونوں (ایمان واسلام) متغایر نہیں ہیں۔

(2) علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا: (فان قیل: قوله تعالی: (قالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا) صریح فی تحقق الاسلام بدون الایمان.

قلنا: المراد ان الاسلام المعتبر فی الشرع لا یوجد بدون الایمان.

وهو فی الآیة بمعنی الانقیاد الظاهر من غیر انقیاد الباطن بمنزلة التلفظ بکلمة الشهادتین من غیر تصدیق فی باب الایمان)

(شرح عقائد نسفیہ: ص133 -مجلس برکات مبارک پور)

ترجمہ: پس اگر اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک: (گنوار بولے: ہم ایمان لائے۔تم فرماؤ! تم ایمان تو نہ لائے۔ہاں، یوں کہو کہ ہم مطیع ہوئے) (کنزالایمان) صریح ہے ایمان کے بغیر اسلام کے ثابت ہونے میں۔

ہم جواب دیں گے: مراد ہے کہ اسلام جو شریعت میں معتبر ہے، وہ بغیر ایمان کے نہیں پایا جاتا ہے اور آیت مقدسہ میں اسلام باطنی طاعت کے بغیر ظاہری طاعت کے معنی میں ہے، کلمہ شہادتین کو بول کر باب ایمان کی تصدیق کے بغیر۔

یعنی آیت طیبہ میں اسلام لغوی معنی میں مستعمل ہے اور علم کلام میں شرعی اسلام کی بحث ہے۔اسلام کا شرعی معنی بغیر ایمان کے نہیں پایا جاتا ہے۔جن اعراب کا ذکر قرآن مقدس میں ہے، وہ مومن نہیں تھے، بلکہ محض ظاہری طور پر اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے۔دل سے اسلام کے معتقد نہیں تھے۔اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان اعراب کی حقیقت کو ظاہر فرما دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی حقیقت کو ظاہر فرمایا کہ وہ کلمہ پڑھ کر بھی مومن نہیں ہیں، کیوں کہ وہ دل سے تصدیق کرنے والے نہیں۔غیب بتانا عالم الغیب کی شان ہے۔

(3)علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی نے رقم فرمایا:(**انه لو كان غيره–لم يصح استثناء احدهما من الأخر–واللازم باطل–لقوله تعالٰى:(فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ::فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ)اى فلم نجد ممن كان فيها من المؤمنين الا اهل بيت من المسلمين**)

(شرح المقاصد: جلد پنجم:ص208-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ:اگر ایمان اسلام کے علاوہ ہوتا تو ان میں سے ایک کا استثنا دوسرے سے صحیح نہیں ہوتا اور لازم باطل ہے(یعنی استثنا صحیح ہے)اللہ تعالیٰ کے ارشاد مبارک کے سبب:(تو ہم نے اس شہر میں جو ایمان والے تھے، نکال لیے تو ہم نے وہاں ایک ہی گھر مسلمان پایا)(کنز الایمان)یعنی ہم نے ان میں سے مومن نہیں پایا، مگر مسلمانوں کا ایک گھر۔

(4)علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا:(**وذهبت الحشوية وبعض المعتزلة الى تغايرهما نظرًا الٰى ان لفظ الايمان ينبئ عن التصديق فيما اخبر اللّٰه تعالٰى علٰى لسان رسله–ولفظ الاسلام عن التسليم والانقياد–ومتعلق التصديق**

ینـاسب ان یکون ھو الاخبار ومتعلق التسلیم الاوامر والنواھی-وتمسکًا باثبات احدھما ونفی الاٰخر کقولہ تعالٰی:(قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰکِنۡ قُوۡلُوۡا اَسۡلَمۡنَا) (شرح المقاصد: جلد پنجم:ص209-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ:حشویہ اور بعض معتزلہ ایمان واسلام کے متغایر ہونے کا مذہب اپنائے،اس کو دیکھتے ہوئے کہ لفظ ایمان اس کی تصدیق کو بتاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان سے خبر دی اور لفظ اسلام تسلیم وفرماں برداری کو بتاتا ہے اور مناسب ہے کہ تصدیق کا تعلق خبروں سے ہو،اور تسلیم کا تعلق اوامر ونواہی سے ہو،اور استدلال کرتے ہوئے ایک کے اثبات اور دوسرے کی نفی سے،جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک:(گنوار بولے:ہم ایمان لائے۔تم فرماؤ!تم ایمان تو نہ لائے۔ہاں،یوں کہو کہ ہم مطیع ہوئے)(کنزالایمان)

فرقہ حشویہ اور بعض معتزلہ اسلام وایمان کے متغایر ہونے کے قائل ہیں،حالاں کہ یہ صحیح نہیں۔منقولہ بالا اقتباس میں حشویہ ومعتزلہ کی دو دلیل مرقوم ہے۔جواب درج ذیل ہے:

(5)علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا:**(والجواب عن الاول:انا لا نعنی اتحاد المفھوم بحسب اصل اللغۃ-علٰی ان التحقیق ان مرجع الامرین الی الاذعان والقبول کما مر-والتصدیق کما یتعلق بالاخبار بالذات فکذا بالاوامر والنواھی-بمعنی کونھا حقۃ واحکامًا من اللّٰہ تعالٰی-وکذا التسلیم-وعن الثانی:بان المراد الاستسلام والانقیاد الظاھر خوفًا من السیف-والکلام فی المعتبر فی الشرع-المقابل للکفر المنبیٔ عنہ قولنا: اٰمن فلان واسلم)** (شرح المقاصد: جلد پنجم:ص210-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: پہلی دلیل کا جواب ہے کہ ہم اصل لغت کے اعتبار سے(ایمان واسلام کے) مفہوم کے ایک ہونے کے قائل نہیں ہیں، بلکہ تحقیق ہے کہ دونوں امر(ایمان واسلام) کا مرجع اذعان وقبول کی طرف ہے جیسا کہ گزرا،اور تصدیق جس طرح بالذات خبروں سے

تعلق رکھتی ہے تو اسی طرح اوامر ونواہی سے تعلق رکھتی ہے، اس معنی میں کہ وہ اوامر ونواہی حق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور اسی طرح تسلیم ہے اور دوسری دلیل کا جواب ہے کہ (آیت مقدسہ میں اسلام سے) تلوار کے خوف سے ظاہری طور پر مان لینا اور فرماں برداری کرنا مراد ہے اور بحث شریعت میں معتبر اسلام کے بارے میں ہے جو کفر کے مقابل ہے جس کے بارے میں ہمارے قول (وہ ایمان لایا اور اسلام قبول کیا) میں بتایا جاتا ہے۔

آیت مقدسہ میں اسلام کا لغوی معنی مراد ہے اور بحث اسلام کے شرعی معنی کی ہے۔

(6) علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا: (الجمهور علٰى ان الاسلام والايمان واحد–اذ معنى: آمنت بما جاء به النبى عليه السلام: صدقته–ومعنى: اسلمت له: سلمته–ولا يظهر بينهما كثير فرق لرجوعهما الى معنى الاعترا ف والانقياد والاذعان والقبول–وبالجملة لا يعقل بحسب الشرع مومن ليس بمسلم–او مسلم ليس بمؤمن–وهذا مراد القوم بترادف الاسمين واتحاد المعنى وعدم التغاير علٰى ما قال فى التبصرة: الاسمان من قبيل الاسماء المترادفة–وكل مؤمن مسلم–وكل مسلم مؤمن–لان الايمان اسم لتصديق شهادة العقول والأثار علٰى وحدانية اللّٰه تعالٰى–وان له الخلق والامر–لا شريك له فى ذلک–والاسلام اسلام المرء نفسه بكليتها للّٰه تعالٰى بالعبودية له–من غير شرک–فحصلا من طريق المراد منهما علٰى معنى واحد–ولو كان الاسمان متغايرين لتصور وجود احدهما بدون الاخر–ولتصور مؤمن ليس بمسلم–او مسلم ليس بمؤمن–فيكون لاحدهما فى الدنيا او الاخرة حكم ليس للاخر–وهذا باطل قطعًا.

وقال فى الكفاية: الايمان هو تصديق اللّٰه فى ما اخبر من اوامره ونواهيه–والاسلام هو الانقياد والخضوع لالوهيته–وذا لا يتحقق الا

بقبول الامر والنھی–فالایمان لا ینفک عن الاسلام حکمًا فلا یتغایران.

واذا کان المراد بالاتحاد ھذا المعنی–صح التمسک فیہ بالاجماع علٰی انہ یمتنع ان یاتی احد بجمیع ما اعتبر فی الایمان ولا یکون مسلمًا–او بجمیع ما اعتبر فی الاسلام ولا یکون مؤمنا–وعلٰی انہ لیس للمؤمن حکم لا یکون للمسلم–وبالعکس–وعلٰی ان دار الایمان دار الاسلام وبالعکس–وعلٰی ان الناس کانوا فی عھد النبی علیہ السلام ثلاث فرق–مؤمن وکافر ومنافق–لا رابع لھم)

(شرح المقاصد: جلد پنجم: ص206- عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: جمہور علما اس پر ہیں کہ اسلام اور ایمان ایک ہے، اس لیے کہ (میں نے اس پر ایمان لایا جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے) کا معنی ہے: (میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کی) اور (میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مانا) کا معنی ہے: (میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلیم کیا) اور ان دونوں کے درمیان زیادہ فرق نہیں ہے، دونوں کے اعتراف وفرماں برداری اور اذعان وقبول کی طرف رجوع کرنے کے سبب اور حاصل کلام شریعت کے اعتبار سے معقول نہیں کہ کوئی مومن مسلمان نہ ہو، یا کوئی مسلمان مومن نہ ہو، اور قوم کی یہی مراد ہے دونوں اسم (ایمان واسلام) کے مترادف ہونے سے اور معنی کے متحد ہونے سے اور متغایر نہ ہونے سے جیسا کہ تبصرہ میں ہے: دونوں اسم (ایمان واسلام) اسمائے مترادفہ کے قبیل سے ہیں اور ہر مومن مسلم ہے اور ہر مسلم مومن ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی وحدانیت پر عقلوں اور نشانیوں کی شہادت کی تصدیق کا نام ایمان ہے اور اس کی تصدیق کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تخلیق وحکم ہے، اس میں کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہے اور انسان کا بلا شرک پورے طور پر خود کو اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی کے لیے سپرد کر دینا اسلام ہے تو یہ دونوں (ایمان واسلام) اپنی مراد ومقصود کے

اعتبار سے ایک ہی معنی پر پائے گئے اور دونوں اسم متغایر ہوتے تو ضرور ان میں سے ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ہو جاتا اور ضرور ایسا مومن متصور ہو جاتا جو مسلم نہ ہو، یا ایسا مسلم متصور ہو جاتا جو مومن نہ ہو، پس ان دونوں میں سے ایک کے لیے دنیا یا آخرت میں ایسا حکم ہوتا جو دوسرے کے لیے نہ ہو، اور یہ یقینی طور پر باطل ہے۔

اور کفایہ میں فرمایا: ایمان اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنا ہے اس بارے میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر ونواہی کی خبر دی اور اسلام اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کی وجہ سے فرماں برداری کرنا اور جھک جانا ہے اور یہ صرف امر ونہی کے قبول کرنے سے حاصل ہوتا ہے، پس ایمان حکمی طور پر اسلام سے جدا نہیں ہوگا، پس دونوں (ایمان واسلام) متغایر نہیں ہیں۔

اور جب اتحاد سے یہی معنی مراد ہے تو اس میں بطریق اجماع اس پر استدلال کرنا صحیح ہے کہ محال ہے کہ کوئی شخص ایمان میں معتبر تمام امور کو مان لے اور وہ مسلمان نہ ہو، یا اسلام میں معتبر تمام امور کو مان لے اور وہ مومن نہ ہو، اور ایسا نہیں ہوگا کہ مومن کے لیے کوئی حکم ہو جو مسلم کے لیے نہ ہو، اور اس کے برعکس اور دار الایمان دار الاسلام ہے اور برعکس اور عہد نبوی میں لوگ تین فرقوں میں تھے: مومن، کافر اور منافق، اور ان کا چوتھا فرقہ نہیں تھا۔

(7) امام ابن حجر ہیتمی مکی شافعی (۹۰۹ھ-۹۷۴ھ) نے رقم فرمایا: (**والاظہر کما قال بعض المحققین: انھما متلازما المفہوم-فلا یعتبر شرعًا فی الخارج ایمان بلا اسلام-ولا عکسہ**) (شرح الاربعین: ص153 - دار المنہاج سعودیہ عربیہ)

ترجمہ: زیادہ راجح وہ ہے جیسا کہ بعض محققین نے کہا کہ ایمان واسلام مفہوم کے اعتبار سے متلازم (ایک دوسرے کے لیے لازم) ہیں، پس خارج میں شرعی طور پر ایمان بغیر اسلام کے معتبر نہیں ہوگا اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں ہوگا۔

منقولہ بالا اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ ایمان اور اسلام کے شرعی معانی متلازم ہیں۔ اسلام ایمان کے بغیر نہیں پایا جاتا ہے اور ایمان اسلام کے بغیر نہیں پایا جاتا ہے۔ علامہ

برزنجی نے جوایمان واسلام میں تفریق کی بات کی ہے، وہ اہل سنت وجماعت کا نظریہ نہیں۔

برزنجی نظریہ اور رافضی نظریہ میں مماثلت

یہودی راہبوں اور عیسائی پادریوں اور دیگر یہود ونصاریٰ کوحضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صرف معرفت حاصل تھی کہ یہی نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جن کی آمد کی بشارت توریت وانجیل میں دی گئی ہے، لیکن انہیں تصدیق یعنی اذعان وقبول حاصل نہیں تھا اور ایمان کی تعریف میں تصدیق کا معنی اذعان وقبول ہے، نہ کہ محض معرفت۔

اسی معرفت بلا تصدیق کوسید محمد برزنجی نے باطنی ایمان بتادیا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید برزنجی بھی شیعوں کی طرح صرف معرفت کو ایمان مانتے ہیں، ورنہ وہ معرفت بلا تصدیق کو ایمان باطنی نہیں کہتے۔جب غیر متکلم کلامی مسائل پر بحث کرتا ہے تو اسی قسم کی کرامتوں کا ظہور ہوتا ہے اور امت مسلمہ ضلالت وبدعت کے خندق میں گر پڑتی ہے۔

روافض محض معرفت کو ایمان کہتے ہیں، لہٰذا وہ ابوطالب کو مومن کہتے ہیں، کیوں کہ اسے حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی معرفت حاصل تھی۔

علامہ برزنجی کا قول ماقبل میں منقول ہے۔ایک اقتباس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''اور ایمان اسلام سے جدا ہو جاتا ہے اس شخص میں جو اپنے دل سے تصدیق کرتا ہے اور عناد کے سبب شہادتین کو نہیں بولتا ہے اور شریعت کے ظاہری افعال کی فرماں برداری نہیں کرتا ہے اور بہت سے علمائے یہود ایسے ہیں جنہوں نے پہچان لیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سچے ہیں اور ان لوگوں نے شہادتین کو نہیں بولا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو لائے، اس کی طاعت نہیں کی۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ان کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ پس ان لوگوں نے عناد کے سبب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا

اقرار نہیں کیا اور اپنے دلوں میں دعوائے رسالت میں حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت کا اعتقاد رکھتے ہیں، پس یہ لوگ باطن میں حضور اقدس نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان والے ہیں، عناد کے سبب ظاہر میں ان کی تکذیب کرنے والے ہیں، پس ان کا باطنی ایمان ان کو نفع نہیں دے گا، کیوں کہ ان کی ظاہری تکذیب عناد کے سبب تھی''۔

(اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص33-34-دارالامام النووی عمان)

علامہ برزنجی نے یہودی راہبوں کو باطنی ایمان والا قرار دیا، کیوں کہ ان لوگوں کو حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معرفت حاصل تھی۔اس سے واضح ہے کہ علامہ برزنجی محض معرفت کو ایمان قرار دیتے ہیں، اگرچہ تصدیق شرعی حاصل نہ ہو، یہ روافض اور بعض قدریہ کا مذہب ہے اور پھران یہودیوں کو ظاہری انکار کے سبب علامہ برزنجی نے کافر قرار دیا، یعنی یہودی راہب باطنی مومن اور ظاہری کافر ہیں۔اس طرح علامہ برزنجی نے ایمان واسلام میں تفریق کردی۔یہ اہل سنت وجماعت کا نظریہ نہیں۔خلاف اجماع نظریہ اختیار کرنے پر نجات ابوطالب کا نظریہ وجود پذیر ہوا، لہٰذا یہ نا قابل قبول نظریہ ہے۔

(1)امام ابن حجر ہیتمی مکی شافعی(۹۰۹ھ-۹۷۴ھ)نے رقم فرمایا:

(انا نقطع بكفر كثير من اهل الكتاب مع علمهم بحقية رسالته صلى اللّٰه عليه وسلم وما جاء به-قال اللّٰه تعالٰى:(فلما جائهم ما عرفوا كفروا به) (يعرفونه كما يعرفون ابنائهم)الأية-وبان الايمان مكلف به-والتكليف انما يتعلق بالافعال الاختيارية-والعلم بصدق مدعى النبوة عند وجود سببه وهو مشاهدة المعجزة حاصل قهرًا عليه)

(شرح الاربعین:ص153-دارالمنہاج سعودیہ عربیہ)

ترجمہ:ہم بہت سے اہل کتاب کے کفر کا یقین رکھتے ہیں، ان کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی حقانیت اوران کے لائے ہوئے دین کی حقانیت کا علم رکھتے

ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: (پس جب ان کے پاس وہ آئے جن کووہ پہچانتے تو انہوں نے ان کاانکارکیا)(انہیں پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)الآیہ

اورایمان کا مکلّف بنایا گیا ہے اور تکلیف (مکلّف بنانا)اختیاری افعال سے متعلق ہوتی ہے اور دعویدارنبوت کی صداقت کا علم اسے جبری طور پر حاصل ہوتا ہے،اس کے سبب کے پائے جانے کے وقت یعنی معجزہ کے مشاہدہ کے وقت۔

معجزہ دیکھ کر بہت سے کفار کوبھی حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت وحقانیت کا یقین حاصل تھا،لیکن ان لوگوں کواذعان وقبول حاصل نہ تھا،لہٰذاوہ کافرقرار پائے جیسے معرفت رکھنے والے یہودونصاریٰ کافرقرار دیئے گئے،حالاں کہ ان کومعرفت حاصل تھی ،لیکن کسی عالم اہل سنت نے معرفت کے سبب یہودونصاریٰ کو باطنی مومن قرارنہیں دیا۔

(2)علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا:(**ونحن نقول: لا شک ان التصدیق المعتبر فی الایمان هو ما یعبر عنه فی الفارسیة ب"گرویدن وباور کردن وراست گوئی داشتن"اذا اضیف الی الحاکم-وراست داشتن وحق داشتن "اذا اضیف الی الحکم-ولا یکفی مجرد العلم والمعرفة الخالی عن هذا المعنی**)(شرح المقاصد: جلدپنجم:ص187-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ:ہم کہتے ہیں:کوئی شک نہیں کہ ایمان میں معتبر تصدیق وہ ہے جس کو فارسی میں گرویدن (گرویدہ ہونا)اور باورکردن (یقین کرنا)اورراست گوئی داشتن(سچا ماننا) سے تعبیر کیا جاتا ہے جب کہ ایمان کو حاکم (اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی طرف منسوب کیا جائے اورراست داشتن (سچ رکھنا)اورحق داشتن (حق رکھنا) سے تعبیر کیا جاتا ہے جب حکم کی طرف منسوب کیا جائے اوراس معنی سے خالی محض علم ومعرفت کافی نہیں۔

منقولہ بالاعبارت سے واضح ہوگیا کہ محض علم ومعرفت ایمان نہیں،لہٰذاتصدیق شرعی سے خالی علم ومعرفت کو باطنی ایمان قرار دینااورمعرفت والے کو باطنی مومن کہنا غلط ہے۔

(3)علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا:(ان بعض القدریۃ ذھب الٰی ان الایمان ھو المعرفۃ-واطبق علمائنا علٰی فسادہ-لان اھل الکتاب کانوا یعرفون نبوۃ محمد علیہ السلام کما کانوا یعرفون ابنائھم مع القطع بکفرھم لعدم التصدیق-ولان من الکفار من کان یعرف الحق یقینًا-وانما کان ینکر عنادًا واستکبارًا-قال اللّٰہ تعالٰی:(وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم)-فلا بد من بیان الفرق بین معرفۃ الاحکام واستیقانھا وبین التصدیق بھا واعتقادھا-لیصح کون الثانی ایمانًا دون الاول)

(شرح عقائد نسفیہ:ص131-مجلس برکات مبارک پور)

ترجمہ: بعض قدریہ کا مذہب ہے کہ ایمان معرفت ہے اوراس کے غلط ہونے پر ہمارے علمائے کرام کا اجماع ہے،اس لیے کہ اہل کتاب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی معرفت رکھتے تھے جیسا کہ وہ لوگ اپنے بیٹوں کی معرفت رکھتے تھے،اس کے باوجود عدم تصدیق کی وجہ سے ان کا کفر یقینی ہے اوراس لیے کہ بہت سے کفار یقینی طور پر حق کو پہچانتے تھے اور عناد وتکبر کے سبب انکار کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:(اوران کے منکر ہوئے اوران کے دلوں میں ان کا یقین تھا)(کنز الایمان)،پس احکام کی معرفت اور اس کے یقین کرنے اوراس کی تصدیق اوراس کے اعتقاد کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے ،تاکہ ثانی(تصدیق واعتقاد)کا ایمان ہونا صحیح ہو،نہ کہ اول(معرفت ویقین)کا۔

محض نبی اوراحکام اسلام کو جان لینا اوران کے صحیح ہونے کا یقین کرلینا کافی نہیں ہے، بلکہ نبی کو نبی ماننا اور شرعی احکام کو ماننا لازم ہے۔اسی مان لینے کو تصدیق شرعی،اذعان، اعتقاد سے تعبیر کیا جاتا ہے اوراسی کو فارسی میں گرویدن(گرویدہ ہونا)،باور کردن(یقین کرنا)وراست گوداشتن(سچا ماننا)سے تعبیر کیا جاتا ہے،پھر بوقت مطالبہ اقرار لازم ہے۔

(4)علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا:(ولا یکفی فی حصول التصدیق المعرفۃ-

لانها قد تکون بدون ذلک–نعم یلزم ان تکون المعرفة الیقینیة المکتسبة بالاختیار تصدیقا–ولا بأس بذلک لانه ح یحصل المعنی الذی یعبر عنه بالفارسیة ب ''گرویدن''ولیس الایمان والتصدیق سوی ذلک.

وحصوله للکفار المعاندین والمنکرین ممنوع–وعلٰی تقدیر الحصول فتکفیرهم یکون بانکارهم باللسان–واصرارهم علی العناد والاستکبار–وما هو من علامات التکذیب والانکار)

(شرح عقائد نسفیہ:ص132-مجلس برکات مبارک پور)

ترجمہ: تصدیق کے حصول میں معرفت کافی نہیں ہے،اس لیے کہ معرفت کبھی بغیر کسب کے ہوتی ہے۔ہاں، لازم آئے گا کہ اختیار سے حاصل ہونے والی یقینی معرفت تصدیق ہو،اوراس میں کوئی حرج نہیں ،کیوں کہ اس وقت وہ معنی حاصل ہوگا جس کو فارسی میں ''گرویدن''(گرویدہ ہونا)سے تعبیر کیا جاتا ہےاوریہی ایمان وتصدیق ہے۔

اورمعاند ومنکر کفار کے لیے تصدیق کا حصول ممنوع ہےاورحصول تصدیق کی تقدیر پر ان کفار کی تکفیر زبان سےان کے انکار کرنے اورعناد وتکبر پران کے اصرار کرنے اورتکذیب وانکار کی علامتوں کی وجہ سے ہے۔

معرفت کبھی بلا کسب بھی حاصل ہوجاتی ہے،لیکن تصدیق شرعی میں کسب واختیار ضروری ہے کہ اپنے اختیار سےحق کوحق مانے۔اسی کسب کےسبب بندہ کوثواب دیا جاتا ہے اورمعرفت کبھی بلاکسب بھی حاصل ہوتی ہے۔معرفت بلاکسب کی مثال درج ذیل ہے:

(5)علامہ سعدالدین تفتازانی(۷۲۲ھ-۷۹۲ھ)نے رقم فرمایا:(**والمذکور فی کلام بعض المشائخ ان التصدیق عبارة عن ربط القلب علٰی ما علم من اخبار المخبر–وهو امر کسبی یثبت باختیار المصدق–ولذا یثاب علیه ویجعل رأس العبادات بخلاف المعرفة–فانها ربما یحصل بلا کسب**

کمن وقع بصرہ علٰی جسم فحصل لہ معرفۃ انہ جدار او حجر)

(شرح عقائد نسفیہ :ص132-مجلس برکات مبارک پور)

ترجمہ:بعض مشائخ کے کلام میں مذکور ہے کہ مخبر کی خبر سے معلوم ہونے والی بات پر دل کے ربط ہوجانے (دل کے مان لینے) کا نام تصدیق ہے اور تصدیق کسبی امر ہے جو مصدق کے اختیار سے وجود میں آتی ہے ،اسی لیے اس پر ثواب دیا جاتا ہے اور اس کو عبادتوں کی اصل قرار دیا جاتا ہے ، برخلاف معرفت کے ، کیوں کہ معرفت کبھی بلا کسب حاصل ہوجاتی ہے جیسے کسی کی نظر کسی جسم پر پڑی تو اسے معرفت حاصل ہوگئی کہ وہ دیوار یا پتھر ہے۔

ایمان وتصدیق اور اہل علم کی اصطلاحات

منطق میں بھی تصدیق وتصور کا بیان ہوتا ہے،لیکن تصدیق شرعی ایک خاص قسم کی تصدیق ہے جس میں تسلیم واعتقاد شرط ہے۔تصدیق منطقی یہ ہے کہ کلام میں جو ایجابی یا سلبی نسبت ہے،اس کا یقین حاصل ہوجائے ،خواہ وہ شخص اسے مانے یا نہ مانے۔تصدیق شرعی میں مذکورہ یقین کے ساتھ اس کو ماننا اور تسلیم کرنا بھی شرط ہے۔الحاصل تصدیق منطقی اور تصدیق شرعی میں فرق ہے۔یہود ونصاریٰ اور بہت سے کفار کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقانیت کا یقین حاصل تھا،لیکن وہ اعتقاد واقرار سے خالی تھے۔اسی طرح ابو طالب کو تصدیق منطقی حاصل تھی ،لیکن تصدیق شرعی حاصل نہیں تھی اور ایمان تصدیق شرعی کا نام ہے۔

(1)علامہ تفتازانی شافعی نے رقم فرمایا:**(ولیست حقیقۃ التصدیق ان تقع فی القلب نسبۃ الصدق الی الخبر او المخبر من غیر اذعان وقبول-بل ھو اذعان وقبول ذلک بحیث یقع علیہ اسم التسلیم علٰی ما صرح بہ الامام الغزالی -وبالجملۃ المعنی الذی یعبر عنہ بالفارسیۃ ب"گرویدن"ھو معنی التصدیق)**(شرح العقائد النسفیہ :ص125-126-مجلس برکات مبارک پور)

ترجمہ: تصدیق (شرعی) کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ دل میں اذعان وقبول کے بغیر خبر یا مخبر کی طرف سچائی کی نسبت واقع ہو، بلکہ تصدیق (شرعی) اس کو قبول کرنا اور اعتقاد کرنا ہے کہ اس پر تسلیم کا نام واقع ہو، جیسا کہ امام غزالی نے صراحت کی اور حاصل کلام وہ معنی جس کو فارسی میں گرویدن (گرویدہ ہونا) سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہی تصدیق شرعی کا معنی ہے۔

(2) علامہ تفتازانی نے علم ومعرفت اور تصدیق شرعی کا فرق بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا: (**فاحتيج الفرق بين العلم بما جاء به النبى عليه السلام وهو معرفته وبين التصديق ليصح كون الاول حاصلا للمعاندين دون الثانى-وكون الثانى ايمانا دون الاول-فاقتصر بعضهم علىٰ ان ضد التصديق هو الانكار والتكذيب وضد المعرفة النكارة والجهالة-واليه اشار الامام الغزالى رحمه اللّٰه حيث فسر التصديق بالتسليم-فانه لا يكون مع الانكار و الاستكبار بخلاف العلم والمعرفة.**

وفصل بعضهم زيادة تفصيل وقال: التصديق عبارة عن ربط القلب بما علم من اخبار المخبر وهو امر كسبى يثبت باخبار المصدق-ولهذا يؤمر ويثاب عليه-بل يجعل رأس العبادات بخلاف المعرفة-فانها ربما يحصل بلا كسب كمن وقع بصره على جسم فحصل له معرفة انه جدار او حجر.

وحققه بعض المتاخرين زيادة تحقيق فقال: المعتبر فى الايمان هو التصديق الاختيارى ومعناه نسبة الصدق الى المتكلم اختيارا-وبهذا القيد يمتاز عن التصديق المنطقى المقابل للتصور-فانه قد يخلو عن الاختيار كما اذا ادعى النبى النبوة واظهر المعجزة فوقع فى القلب صدقه ضرورة من غير ان ينسب اليه اختيارا-فانه لا يقال فى اللغة انه صدقه-فلا يكون ايمانا شرعيا-كيف والتصديق مامور به فيكون فعلا اختياريا زائدا

علی العلم:الخ) (شرح المقاصد: جلد پنجم:ص185-186-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: پس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے امر کے علم ومعرفت اور تصدیق کے درمیان فرق کرنے کی ضرورت ہوئی،تاکہ اول (علم ومعرفت) کا معاندین کے لیے حاصل ہونا صحیح ہوجائے ، نہ کہ دوم (تصدیق) کا اور دوم کا ایمان ہونا صحیح ہو، نہ کہ اول کا،پس بعض علمائے کرام نے اس پر اکتفا کیا کہ تصدیق کی ضد انکار وتکذیب ہے اور معرفت کی ضد لاعلمی وجہالت ہے،اور امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی جانب اشارہ فرمایا،اس طرح کہ انہوں نے تصدیق کی تفسیر تسلیم سے کی، کیوں کہ تسلیم انکار ومکابرہ کے ساتھ نہیں ہوتی ہے، برخلاف علم ومعرفت کے۔

بعض علما نے زیادہ تفصیل کی اور فرمایا: مخبر کے خبر دینے سے جو معلوم ہو،قلب کا اس سے مرتبط ہوجانے (مان لینے) کا نام تصدیق ہے اور یہ کسبی امر ہے کہ تصدیق کرنے والے کے خبر دینے سے ثابت (معلوم) ہوتی ہے،اسی وجہ سے تصدیق کا حکم دیا جاتا ہے اور اس پر ثواب دیا جاتا ہے، بلکہ تصدیق کو عبادات کی اصل بنایا گیا ہے، برخلاف معرفت کے، کیوں کہ معرفت کبھی بلا کسب حاصل ہوجاتی ہے جیسے جس کی نظر کسی جسم پر پڑی تو اسے معرفت حاصل ہوجاتی ہے کہ یہ دیوار یا پتھر ہے۔

اور بعض محققین نے زیادہ تحقیق کی اور فرمایا: ایمان میں تصدیق اختیاری معتبر ہے اور اس کا معنی ہے،اختیار کے ساتھ متکلم کی طرف سچائی کی نسبت کرنا،اور اس قید سے وہ تصدیق منطقی سے ممتاز ہوجاتی ہے جو کہ تصور کے مقابل ہے، کیوں کہ تصدیق منطقی کبھی اختیار سے خالی ہوتی ہے، جیسے جب کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزہ ظاہر فرمایا تو دل میں بدیہی طور پر ان کی سچائی ثابت ہوجاتی ہے،بغیر اس کے کہ ان کی طرف اختیار کے ساتھ سچائی کی نسبت کی جائے، کیوں کہ (اس کو) لغت میں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ اس نے اس کی تصدیق کی، پس وہ شرعی ایمان وتصدیق نہیں ہے، بھلا وہ تصدیق شرعی کیسے ہوسکتی ہے، حالاں کہ تصدیق

شرعی کا حکم دیا گیا ہےتو وہ فعل اختیاری ہوگی،علم ومعرفت پرزائدہوگی۔

منقولہ بالا اقتباس سے واضح ہوگیا کہ ایمان میں یقین اختیاری پایا جاتا ہے۔

تصدیق منطقی یہ ہے کہ نسبت کے نفس الامر کے مطابق ہونے کا یقین ہو،خواہ اس کو تسلیم کرے یا تسلیم نہ کرے، جیسے یہود ونصاریٰ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا یقین حاصل تھا،لیکن ان لوگوں نے اسے تسلیم نہ کیا،پس وہ کافر قرار پائے۔تصدیق شرعی میں اعتقاد وتسلیم کی شرط ہے کہ اس امر یقینی کو تسلیم کیا جائے اوراس کو مانا جائے۔محض نسبت کی سچائی کا یقین ہوجانا کافی نہیں،کیوں کہ اس یقین کے ساتھ انکار بھی ہوتا ہے جیسے یہود نصاریٰ اور بہت سے کفار نے یقین کے باوجود انکار کیا۔

(3)مدارج النبوت میں ہے کہ ابوطالب کو اقرار وتصدیق حاصل تھی اور اذعان وقبول حاصل نہ تھا،یعنی ان کو تصدیق منطقی حاصل تھی اور تصدیق شرعی حاصل نہیں تھی۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی(۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ) نے ابوطالب کے بارے میں رقم فرمایا:''وے اقرار کرد بزباں وتصدیق کرد بدل امااذعان وقبول واطاعت از وے بوجود نیامد ومعتبر تصدیق واقرار ست مقارن اذعان وقبول وانقیاد وتسلیم چناں کہ در کتب کلامیہ تحقیق یافتہ است''۔(مدارج النبوت:جلد دوم:ص68-مطبع منشی نول کشور لکھنو)

ترجمہ:ابوطالب نے زبان سے اقرار کیا اوردل سے تصدیق کی،لیکن ابوطالب کی جانب سے اذعان وقبول اوراطاعت وجود میں نہیں آئی اور وہی تصدیق واقرار معتبر ہے جو اذعان وقبول اورانقیاد وتسلیم کے ساتھ متصل ہو،جیسا کہ کتب کلامیہ میں تحقیق کی گئی ہے۔

(4)امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا:''(**وکفر العناد ان یعرف اللّٰہ بقلبہ ویعترف بلسانہ ولا یدین بہ ککفر ابی طالب حیث یقول:**

ولقدعلمت بان دین محمد

من خیر ادیان البریۃ دینا

لولا الملامة او حذار مسبة

لوجدتنی سمحابذاک مبینا

یعنی کفر عناد یہ کہ اللہ تعالیٰ کو دل سے بھی جانے اور زبان سے بھی کہے، مگر تسلیم وگرویدگی سے باز رہے جیسے ابوطالب کا کفر کہ یہ شعر کہے:

واللہ! میں جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین تمام جہان کے دین سے بہتر ہے۔ اگر ملامت یا طعنے سے بچنا نہ ہوتا تو تُو مجھے دیکھتا کہ میں کیسی اہل دلی کے ساتھ صاف صاف اس دین کو قبول کر لیتا''۔ (شرح المطالب: ص694 - فتاویٰ رضویہ: جلد29)

(5) امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا: ''امام شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس قرافی نے شرح التنقیح، پھر امام قسطلانی نے مواہب میں کفار کی ایک قسم یوں بیان فرمائی: (**من اٰمن بظاهره وباطنه وكفر بعدم الاذعان للفروع كما حكى عن ابى طالب انه كان يقول: انى لاعلم ان ما يقوله ابن اخى لحق ولو لا انى اخاف ان تعيرنى نساء قريش لاتبعته -وفى شعره يقول:**

لقد علموا ان ابننا لا مكذب

يقيناً ولا يعزى لقول الا باطل

فهذا تصريح باللسان واعتقاد بالجنان غيرانه لم يذعن)

یعنی ایک کافر وہ ہے جو قلب سے عارف، زبان سے معترف ہو، مگر اذعان نہ لائے جیسے ابوطالب سے مروی کہ بے شک میں یقیناً جانتا ہوں کہ جو کچھ میرے بھتیجے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) فرماتے ہیں، ضرور حق ہے۔ اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں مجھے عیب لگائیں گی تو ضرور میں اُن کا تابع ہو جاتا اور اپنے ایک شعر میں کہا:

خدا کی قسم کافران قریش خوب جانتے ہیں کہ ہمارے بیٹے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یقیناً سچے ہیں اور معاذ اللہ کوئی کلمہ خلاف حق کہنا ان کی طرف نسبت نہیں کیا جاتا۔

تو یہ زبان سے تصریح اور دل سے اعتقاد سب کچھ ہے، مگر اذعان نہ ہوا۔

امام ابن اثیر جزری نہایہ، پھر علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں: (**کفر عناد هو ان یعرفه بقلبه ویعترف بلسانه ولا یدین به کابی طالب**) کفر عنادیہ ہے کہ دل سے پہچانے اور زبان سے اقرار کرے، مگر تسلیم وانقیاد سے باز رہے جیسے ابوطالب۔

(شرح المطالب: ص695-فتاویٰ رضویہ: جلد29-جامعہ نظامیہ لاہو)

(6) بسا اوقات علمائے اہل سنت و جماعت تصدیق شرعی کو معرفت، علم اور اعتقاد سے تعبیر کرتے ہیں، لہٰذا طرز کلام پر مطلع ہونا ضروری ہے، تا کہ محل کلام میں غلط فہمی نہ ہو سکے۔

علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا: (**وعلی الثالث لمجموع التصدیق والاقرار-و علیه اکثر المحققین-الا انه کثیرًا ما یقع فی عباراتهم مکان التصدیق: المعرفة او العلم او الاعتقاد**) (شرح المقاصد: جلد پنجم: ص176-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: تیسرے معنی کی بنیاد پر ایمان تصدیق واقرار کا مجموعہ ہے اور اسی پر اکثر محققین ہیں، مگر زیادہ تر ان کی عبارتوں میں تصدیق کی جگہ معرفت یا علم یا اعتقاد واقع ہوتا ہے۔

(7) علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا: (**وکثیرا ما یقع فی عبارات النحاریر من العلماء مکان التصدیق تارة المعرفة وتارة العلم وتارة الاعتقاد**)

(شرح المقاصد: جلد پنجم: ص178-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: زیادہ تر ماہر علمائے کرام کی عبارتوں میں تصدیق کی جگہ کبھی معرفت، کبھی علم اور کبھی اعتقاد کا استعمال ہوتا ہے۔

تصدیق شرعی کی جگہ کبھی معرفت، کبھی علم اور کبھی اعتقاد کا استعمال ہوتا ہے اور اس سے تصدیق شرعی مراد ہوتی ہے، لہٰذا علمائے اہل سنت و جماعت کے طریق استعمال سے واقف ہونا لازم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ معرفت سے وہ معرفت مراد لے لی جائے جو روافض وقدریہ کے یہاں مراد ہے، کیوں کہ روافض وقدریہ معرفت بلا اذعان وبلا اعتقاد کو ہی ایمان کہتے ہیں۔

ایمان کی تعریف میں اہل سنت وروافض کا اختلاف

ایمان کی تعریف میں اختلاف کے سبب ابو طالب کے ایمان میں اہل سنت وجماعت اور روافض کے درمیان اختلاف ہے۔فرقہ روافض کے یہاں محض معرفت ہی ایمان ہے،خواہ تصدیق ہو یا نہ ہو،حالاں کہ قرآن مقدس میں یہود ونصاریٰ کے بارے میں آیت طیبہ موجود ہے کہ یہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی معرفت رکھتے ہیں جیسی معرفت اپنے بیٹوں کی رکھتے ہیں۔اس معرفت کے باوجود قرآن عظیم نے یہود ونصاریٰ کو کافر قرار دیا ہے۔اہل سنت وجماعت کے یہاں ایمان کے لیے تصدیق یعنی یقین وقبول ضروری ہے اور مطالبہ کے وقت قرار بھی لازم ہے۔چوں کہ روافض معرفت کو ہی ایمان قرار دیتے ہیں اور ابو طالب کو یقیناً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کی معرفت حاصل تھی،پس معرفت کی وجہ سے روافض ابو طالب کو مومن کہتے ہیں۔

(1)علامہ تفتازانی (۷۲۲ھ-۷۹۲ھ) نے رقم فرمایا:(**واما فی الشرع فاما ان یجعل لفعل القلب فقط–او اللسان فقط–او کلیهما وحدهما–او مع سائر الجوارح–فعلی الاول هو اسم للتصدیق عند الاکثرین–اعنی تصدیق النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی ما علم مجیئه به بالضرورة–وللمعرفة عند الشیعة وجهم والصالحی**)(شرح المقاصد:جلد پنجم:ص176-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ:لیکن شریعت میں،پس یا تو (ایمان کو) صرف قلب کا فعل بنایا جائے،یا صرف زبان کا،یا صرف ان دونوں (قلب ولسان) کا،یا تمام جوارح کے ساتھ،پس پہلی صورت پر ایمان صرف تصدیق کا نام ہے،اکثر (علمائے اہل سنت) کے یہاں،یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس امر میں تصدیق کرنا جس کا لانا بدیہی طور پر معلوم ہو۔

اور شیعہ،جہم بن صفوان سمرقندی (م۱۲۸ھ) (فرقہ جہمیہ کا بانی) اور (فرقہ قدریہ

میں سے)ابوالحسین صالحی کے یہاں ایمان معرفت کا نام ہے۔

(2)علامہ سعدالدین تفتازانی نے رقم فرمایا:((وأما فی الشرع فاختلف الآراء فی تحقیق الإیمان وفی کونه اسمًا لفعل القلب فقط أو فعل اللسان فقط أو لفعلهما جمیعا وحدهما أو مع سائر الجوارح وهذه طرق أربعة)

فعلی الأول قد یجعل اسمًا للتصدیق أعنی تصدیق النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فیما علم مجیئه به بالضرورة أی فیما اشتهر کونه من الدین بحیث یعلمه العامة من غیر افتقار إلٰی نظر واستدلال کوحدة الصانع ووجوب الصلاة وحرمة الخمر ونحو ذلک ویکفی الإجمال فیما یلاحظ إجمالا ویشترط التفصیل فیما یلاحظ تفصیلا حتی لو لم یصدق بوجوب الصلاة عند السؤال عنه وبحرمة الخمر عند السؤال عنه کان کافرا—و هذا هو المشهور وعلیه الجمهور.

وقد یجعل اسمًا للمعرفة أعنی معرفة ما ذکرنا ویتناول معرفة اللّٰه تعالی بوحدانیته وسائر ما یلیق به وتنزهه عما لا یلیق به—وهو مذهب الشیعة وجهم بن صفوان وأبی الحسین الصالحی من القدریة)

(شرح المقاصد: جلد پنجم :ص 177 - عالم الکتب بیروت)

ترجمہ:لیکن شریعت میں ایمان کی تحقیق میں رائیں مختلف ہیں اور ایمان کے صرف فعل قلب ہونے یا فقط فعل زبان ہونے یا محض ان دونوں (قلب ولسان) کا فعل ہونے یا تمام اعضائے جوارح کے ساتھ فعل قلب ولسان ہونے میں رائیں مختلف ہیں ،پس یہ چار طریقے ہیں۔

پس طریق اول پر کبھی تصدیق کا نام ایمان بتایا جاتا ہے ،یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس امر میں تصدیق کرنا جس کا لانا بداہۃً معلوم ہو،یعنی اس امر میں تصدیق

جس کا دین سے ہونا مشتہر ہو کہ عوام مسلمین بھی نظر واستدلال کی حاجت کے بغیر اس کا یقین کرلیں، جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نماز کی فرضیت اور شراب کی حرمت وغیرہ اور جس کا اجمالی علم ہو، اس میں اجمالی تصدیق کافی ہے اور تفصیلی تصدیق کی شرط اس میں ہے جس کا تفصیلی علم ہو، یہاں تک کہ اگر فرضیت نماز کے بارے میں سوال ہونے کے وقت اس کی فرضیت کی (زبانی) تصدیق نہ کرے اور حرمت شراب کے بارے میں سوال ہونے کے وقت حرمت شراب کی (لسانی) تصدیق نہ کرے تو کافر ہوگا اور (ایمان کا) یہی معنی مشہور ہے اور اسی پر جمہور اہل اسلام ہیں۔

اور کبھی معرفت کا نام ایمان بتایا جاتا ہے، یعنی ہمارے ذکر کردہ امر کی معرفت اور یہ معنی اللہ تعالیٰ عزوجل کی وحدانیت کی معرفت اور اس کی صفات کمالیہ کی معرفت اور صفات غیر مناسبہ سے تنزیہ کی معرفت کو شامل ہے اور یہ شیعہ اور، جہم بن صفوان اور فرقہ قدریہ میں سے ابوالحسین صالحی کا مذہب ہے۔

چوں کہ روافض کے یہاں محض معرفت کا نام ایمان ہے اور ابوطالب کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی معرفت اور اسلام کی حقانیت کی معرفت حاصل تھی، لہٰذا شیعہ لوگ اس معرفت کے سبب ابوطالب کو مومن مانتے ہیں، پس ایمان کی تعریف میں اختلاف کے سبب ایمان ابوطالب کے مسئلہ میں اہل سنت وجماعت اور فرقہ روافض کے درمیان اختلاف ہوگیا۔ ایمان کی تعریف میں اختلاف سنی وشیعہ میں اختلاف کا سبب ہے۔

روافض نے ایمان کا جو معنی بیان کیا ہے، وہ قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہے۔ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ اور بہت سے کفار ومشرکین کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقانیت کی معرفت حاصل تھی، لیکن وہ تصدیق شرعی یعنی یقین اختیاری اور قبولیت سے دور رہے، پس کافر قرار پائے۔ روافض کی تعریف کے مطابق ایسے تمام یہود ونصاریٰ وکفار ومشرکین مومن قرار پائیں گے، حالاں کہ قرآن مقدس میں ان لوگوں کو کافر ہی بتایا گیا ہے۔

(3) محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ) نے ابوطالب سے متعلق رقم فرمایا: ''وے اقرار کرد بزباں وتصدیق کرد بدل اما اذعان وقبول واطاعت از وے بوجود نیامد ومعتبر تصدیق واقرار ست مقارن اذعان وقبول وانقیاد وتسلیم چناں کہ در کتب کلامیہ تحقیق یافتہ است''۔ (مدارج النبوت: جلد دوم: ص68-مطبع منشی نول کشور لکھنو)

ترجمہ: ابوطالب نے زبان سے اقرار کیا اور دل سے تصدیق کی، لیکن ابوطالب کی جانب سے اذعان وقبول اور اطاعت وجود میں نہیں آئی اور وہی تصدیق واقرار معتبر ہے جو اذعان وقبول اور انقیاد وتسلیم کے ساتھ متصل ہو، جیسا کہ کتب کلامیہ میں تحقیق کی گئی ہے۔

منقولہ بالا اقتباس سے واضح ہو گیا کہ جو تصدیق شرعاً معتبر ہے اور جس تصدیق کا نام ایمان ہے، وہ شرعی تصدیق ابوطالب کو حاصل نہیں تھی، پس ان کو نہ تصدیق حاصل تھی، نہ انہوں نے اقرار کیا۔ ایسی صورت میں ابوطالب کو باطنی مومن قرار دینا یقیناً غلط ہے۔

(4) علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا: **(ونحن نقول: لا شک ان التصدیق المعتبر فی الایمان هو ما یعبر عنه فی الفارسیة ب''گرویدن وباور کردن وراست گوئی داشتن''اذا اضیف الی الحاکم-وراست داشتن وحق داشتن ''اذا اضیف الی الحکم-ولا یکفی مجرد العلم والمعرفة الخالی عن هذا المعنی)** (شرح المقاصد: جلد پنجم: ص187-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: ہم کہتے ہیں: کوئی شک نہیں کہ ایمان میں معتبر تصدیق وہ ہے جس کو فارسی میں گرویدن (گرویدہ ہونا) اور باور کردن (یقین کرنا) اور راست گوئی داشتن (سچا ماننا) سے تعبیر کیا جاتا ہے جب کہ ایمان کو حاکم (اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی طرف منسوب کیا جائے اور راست داشتن (سچ رکھنا) اور حق داشتن (حق رکھنا) سے تعبیر کیا جاتا ہے جب حکم کی طرف منسوب کیا جائے اور اس معنی سے خالی محض علم ومعرفت کافی نہیں۔

<u>وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ العظیم</u>

باب چہارم

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ واصحابہ اجمعین

تصدیق شرعی اور معرفت قلبی میں فرق

ابوطالب کو اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اسلام کی حقانیت کی معرفت حاصل تھی، لیکن ان امور کی تصدیق حاصل نہیں تھی۔تصدیق ومعرفت میں فرق ہے۔

چوں کہ تصدیق شرعی نہیں پائی گئی،لہٰذا ابوطالب کو مومن نہیں قرار دیا جا سکتا ہے، نیز ابوطالب کی جانب سے بوقت مطالبہ اقرار بھی نہیں پایا گیا اور عدم اقرار کا کوئی عذر صحیح نہ تھا۔

اس باب میں ایمان سے متعلق تفصیلات مرقوم ہیں،تا کہ حقائق واضح ہو جائیں۔

(1)علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا:(وستعرف فرقًا بين المعرفة والتصديق)

(شرح المقاصد: جلد پنجم:ص 177-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ:عنقریب تم معرفت اور تصدیق کے درمیان فرق کو جان لوگے۔

(2)علامہ تفتازانی نے تصدیق کا معنی بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا:(ومعناه ما يعبر عنه ب"کرویدن وراست کوئی داشتن"-ويقابله التكذيب وينافيه التردد-وهوغير العلم والمعرفة-لان من الكفار من كان يعرف ولا يصدق:

قال الله:(اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآئَهُمْ)

(وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ)

(وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ)

وبين الفرق بان المقابل للتصديق الانكار والتكذيب-وللمعرفة النكر والجهالة-ولهذا قد يفسر بالتسليم وبالعكس-وبان التصديق ربط القلب علٰى ما علم من اخبار المخبر-وهو كسبى اختيارى-ولهذا يؤمر به

ویثاب علیہ-والمعرفۃ ربما تحصل بلا کسب)

(شرح المقاصد: جلد پنجم:ص183-184-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: تصدیق کا معنی وہ ہے جس کو گرویدن (گرویدہ ہونا) اور راست گوئی داشتن (سچا رکھنا) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے مقابل تکذیب ہے اور تردد اس کے منافی ہے۔

اور تصدیق علم ومعرفت کے علاوہ ہے، کیوں کہ کفار میں بہت سے لوگ معرفت رکھتے تھے اور وہ تصدیق نہیں کرتے تھے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی، وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔(کنز الایمان)

(۲) اور وہ جنہیں کتاب ملی ہے، ضرور جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔(کنز الایمان)

(۳) اور ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا۔(کنز الایمان)

اور فرق بیان فرمایا کہ تصدیق کا مقابل انکار اور تکذیب ہے اور معرفت کا مقابل نہ جاننا اور جہالت ہے اور اسی لیے کبھی تصدیق کی تفسیر تسلیم سے کی جاتی ہے اور تسلیم کی تفسیر تصدیق سے اور مخبر کی خبر سے معلوم ہونے والی بات سے دل کا مرتبط ہو جانا تصدیق ہے اور یہ کسبی واختیاری ہے، اسی لیے تصدیق کا حکم دیا جاتا ہے اور اس پر ثواب دیا جاتا ہے اور معرفت کبھی بلا کسب حاصل ہو جاتی ہے (جیسے درخت پر نظر پڑتے ہی درخت کی معرفت)

چوں کہ ابوطالب کو معرفت حاصل تھی اور روافض معرفت ہی کو ایمان کہتے ہیں، لہٰذا شیعوں نے ابوطالب کو مومن کہا۔ اہل سنت وجماعت کے یہاں ایمان کے لیے تصدیق بالقلب ضروری ہے اور بہت سے علمائے اہل سنت تصدیق بالقلب کے ساتھ اقرار باللسان کو بھی ایمان کی شرط قرار دیتے ہیں، لیکن تمام اہل سنت وجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ اگر مطالبہ کے وقت اقرار نہ کیا تو وہ کافر ہے۔ ابوطالب کے لیے نہ تصدیق ثابت ہے، نہ بوقت

مطالبہ اقرار ثابت ہے، نہ ہی عدم اقرار کا کوئی صحیح عذر حاصل ہے، پھر وہ مومن کیسے؟

یقین اختیاری ویقین اضطراری

اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ارشادفرمودہ قطعی ویقینی احکام میں سے بہت سے احکام پر کفار ومشرکین کو اضطراری یقین حاصل ہوتا ہے، لیکن وہ یقین اختیاری سے محروم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سے متعلق ارشادفرمایا کہ اگر تم اسے انسانی کلام سمجھتے ہوتو اس کی طرح کوئی ایک سورہ بھی پیش کرو۔ نزول قرآن مقدس کے عہد مسعود میں کفار ومشرکین میں بڑے بڑے فصحا وبلغا موجود تھے۔ مثل قرآن ایک سورہ بھی پیش نہ کر سکے۔ انہیں یقین اضطراری حاصل ہو گیا کہ قرآن مجید انسانی کلام نہیں، لیکن وہ یقین اختیاری یعنی تصدیق وایمان سے محروم رہے۔ جن کی تقدیر میں ایمان تھا، وہ داخل اسلام ہو گئے۔

حضور اقدس تاجدار کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کثیر روشن معجزات کو دیکھ کر کفار ومشرکین کو یقین اضطراری حاصل تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ورسول ہیں، لیکن وہ یقین اختیاری یعنی تصدیق وایمان سے محروم رہے۔

تصدیق سے تصدیق شرعی مراد

علامہ میر سید شریف جرجانی حنفی نے ایمان کی تعریف بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا:

(التصدیق للرسول فیما علم مجیئه به ضرورةً)

(شرح مواقف: ص718-مطبع نول کشور لکھنو)

ترجمہ: ضروریات دین میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔

ایمان کی تعریف میں لفظ تصدیق سے تصدیق شرعی مراد ہے۔ شبہات باطلہ کو دور کر کے اپنے قصد واختیار کے ساتھ دین اسلام کے ضروریات دین پر یقین اختیاری کا نام تصدیق وایمان ہے۔ یہی تصدیق شرعی ہے۔ تصدیق شرعی میں یقین اختیاری مطلوب ہے۔

یقین اضطراری مطلوب ومراد نہیں، ورنہ تکلیف کا مفہوم باطل ہو جائے گا، نیز بہت سے کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کو اسلام کی حقانیت کا یقین اضطراری حاصل تھا، اس کے باوجود ان لوگوں مومن نہیں تسلیم کیا گیا، کیوں کہ یقین اختیاری یعنی تصدیق شرعی مفقود تھی۔

علامہ تفتازانی نے علم ومعرفت اور تصدیق شرعی کا فرق بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا:

(فاحتیج الفرق بین العلم بما جاء به النبی علیه السلام وهو معرفته وبین التصدیق لیصح کون الاول حاصلا للمعاندین دون الثانی-وکون الثانی ایمانا دون الاول-فاقتصر بعضهم علیٰ ان ضد التصدیق هو الانکار والتکذیب وضد المعرفة النکارة والجهالة-والیه اشار الامام الغزالی رحمه اللّٰه حیث فسر التصدیق بالتسلیم-فانه لا یکون مع الانکار والاستکبار بخلاف العلم والمعرفة.

وفصل بعضهم زیادة تفصیل وقال: التصدیق عبارة عن ربط القلب بما علم من اخبار المخبر وهو امر کسبی یثبت باخبار المصدق-ولهذا یؤمر ویثاب علیه-بل یجعل رأس العبادات بخلاف المعرفة-فانها ربما یحصل بلا کسب کمن وقع بصره علی جسم فحصل له معرفة انه جدار او حجر.

وحققه بعض المتاخرین زیادة تحقیق فقال: المعتبر فی الایمان هو التصدیق الاختیاری ومعناه نسبة الصدق الی المتکلم اختیارا-وبهذا القید یمتاز عن التصدیق المنطقی المقابل للتصور-فانه قد یخلو عن الاختیار کما اذا ادعی النبی النبوة واظهر المعجزة فوقع فی القلب صدقه ضرورة من غیر ان ینسب الیه اختیارا-فانه لا یقال فی اللغة انه صدقه-فلا یکون ایمانا شرعیا-کیف والتصدیق مامور به فیکون فعلا اختیاریا زائدا علی العلم: الخ) (شرح المقاصد: جلد پنجم: ص185-186-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: پس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے امر کے علم ومعرفت اور تصدیق کے درمیان فرق کرنے کی ضرورت ہوئی، تاکہ اول (علم ومعرفت) کا معاندین کے لیے حاصل ہونا صحیح ہو جائے، نہ کہ دوم (تصدیق) کا، اور دوم کا ایمان ہونا صحیح ہو، نہ کہ اول کا، پس بعض علما نے اس پر اکتفا کیا کہ تصدیق کی ضد انکار وتکذیب ہے اور معرفت کی ضد لاعلمی وجہالت ہے، اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جانب اشارہ کیا، اس طرح کہ انہوں نے تصدیق کی تفسیر تسلیم سے کیا، کیوں کہ تسلیم انکار ومکابرہ کے ساتھ نہیں ہوتی ہے، برخلاف علم ومعرفت کے۔

بعض علما نے زیادہ تفصیل کی اور فرمایا: مخبر کے خبر دینے سے جو معلوم ہو، قلب کا اس سے مرتبط ہو جانے (مان لینے) کا نام تصدیق ہے، اور یہ کسبی امر ہے کہ تصدیق کرنے والے کے خبر دینے سے ثابت (معلوم) ہوتی ہے، اسی وجہ سے تصدیق کا حکم دیا جاتا ہے اور اس پر ثواب دیا جاتا ہے، بلکہ تصدیق کو عبادات کی اصل بنایا گیا ہے، برخلاف معرفت کے، کیوں کہ معرفت کبھی بلا کسب حاصل ہو جاتی ہے جیسے جس کی نظر کسی جسم پر پڑی تو اسے معرفت حاصل ہو جاتی ہے کہ یہ دیوار یا پتھر ہے۔

اور بعض محققین نے زیادہ تحقیق کی اور فرمایا: ایمان میں تصدیق اختیاری معتبر ہے اور اس کا معنی ہے، اختیار کے ساتھ متکلم کی طرف سچائی کی نسبت کرنا، اور اس قید سے وہ تصدیق منطقی سے ممتاز ہو جاتی ہے جو کہ تصور کے مقابل ہے، کیوں کہ تصدیق منطقی کبھی اختیار سے خالی ہوتی ہے، جیسے جب کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزہ ظاہر فرمایا تو دل میں بدیہی طور پر ان کی سچائی ثابت ہو جاتی ہے، بغیر اس کے کہ ان کی طرف اختیار کے ساتھ سچائی کی نسبت کی جائے، کیوں کہ (اس کو) لغت میں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ اس نے اس کی تصدیق کی، پس وہ شرعی ایمان وتصدیق نہیں ہے، بھلا وہ تصدیق شرعی کیسے ہو سکتی ہے، حالاں کہ تصدیق شرعی کا حکم دیا گیا ہے تو وہ فعل اختیاری ہوگی، علم ومعرفت پر زائد ہوگی۔

منقولہ بالا اقتباس سے واضح ہوگیا کہ ایمان میں یقین اختیاری پایا جاتا ہے۔

تصدیق منطقی یہ ہے کہ نسبت کے نفس الامر کے مطابق ہونے کا یقین ہو،خواہ اس کو تسلیم کرے یا تسلیم نہ کرے، جیسے یہود ونصاریٰ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا یقین حاصل تھا،لیکن ان لوگوں نے اسے تسلیم نہ کیا،پس وہ کافر قرار پائے۔تصدیق شرعی میں تسلیم کی شرط ہے کہ اس امر یقینی کو تسلیم کیا جائے اور مانا جائے۔

علامہ سید شریف جرجانی نے رقم فرمایا:((**التصدیق للرسول فیما علم مجیئه به ضرورۃً تفصیلًا)فِیْمَا عُلِمَ تَفْصِیْلًا(وَاِجْمَالًا)فِیْمَا عُلِمَ اِجْمَالًا-فَهُوَ فِی الشَّرْعِ تَصْدِیْقٌ خَاصٌ**)(شرح مواقف:ص718-مطبع نول کشور لکھنو)

ترجمہ:حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جس امر کو لانا بدیہی طور پر ثابت ہو،اس امر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا(ایمان)ہے،جس کا تفصیلی علم ہو، اس کی تفصیلی تصدیق کرنا اور جس کا اجمالی علم ہو،اس کی اجمالی تصدیق کرنا(ایمان)ہے، پس یہ شریعت میں ایک خاص تصدیق ہے۔

(4)علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا:(**لان المخطئ فی الاصول والعقائد یعاقب،بل یُضَلَّلُ اَوْ یُکَفَّرُ-لان الحق فیها واحد اجماعًا- <u>والمطلوب هو الیقین الحاصل بالادلة القطعیة</u> -اذ لا یعقل حدوث العالم وقدمه-وجواز رویة الصانع وعدمه-فالمخطئ فیها مخطئ ابتداءً وانتهاءً**)

(التلویح:جلدوم:ص121)

ترجمہ:اس لیے کہ اصول(قطعی مسائل)اور عقائد میں خطا کرنے والا قابل سزا ہے ، بلکہ گمراہ یا کافر ہے، کیوں کہ اس میں بالاجماع ایک ہی حق ہے،اور(ان میں)وہ یقین مطلوب ہوتا ہے جو قطعی دلیلوں سے حاصل ہو،اس لیے کہ دنیا کا قدیم اور حادث ہونا غیر معقول ہے،اور اللہ تعالیٰ کی رویت کا جواز اور عدم جواز غیر معقول ہے، پس اس میں خطا

کرنے والا ابتداءً اور انتہاءً خطا کرنے والا ہے۔

قطعیات میں قطعی دلیل سے حاصل ہونے والا یقین مطلوب ہے۔جو اس پر یقین نہ کرے،اس پر شرعی حکم وارد ہوگا۔قطعیات میں اجتہاد واختلاف کی اجازت نہیں ہے۔

یقین اضطراری اور یہود ونصاریٰ وکفار ومشرکین

یہود ونصاریٰ کو ہمارے رسول حضور اقدس سرور دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ورسالت کی حقانیت کا یقین اضطراری حاصل تھا،لیکن وہ تصدیق شرعی (یقین اختیاری) سے محروم تھے،لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن مقدس میں کافر قرار دیا۔

ارشاد الٰہی ہے:(**الذین آتینٰھم الکتٰب یعرفونہ کما یعرفون ابنائھم**)

(سورہ بقرہ: آیت 146)

ترجمہ:جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی،وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔(کنز الایمان)

یہود ونصاریٰ کو جیسے اپنے بیٹوں پر یقین تھا کہ یہ ہمارے بیٹے ہیں،اسی طرح یہ یقین تھا کہ حضور اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ورسول ہیں جن کی آمد کی بشارت توریت وانجیل میں دی گئی ہے۔توریت وانجیل میں حضور اقدس نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی واضح نشانیاں اور علامتیں بیان کی گئی تھیں۔ان نشانیوں کے سبب یہود ونصاریٰ کو یقین اضطراری حاصل تھا کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی آخری نبی ورسول ہیں جن کی نشانیاں توریت وانجیل میں بیان کی گئی ہیں۔اسی طرح بہت سے کفار ومشرکین کو بھی معجزات دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقانیت وصداقت کا یقین تھا،لیکن وہ قبائلی تعصب یا کسی دوسری وجہ سے ایمان قبول نہ کر سکے۔

علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا:(**وقد بین بقولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:الایمان ان تؤمن باللّٰہ......الحدیث-غایۃ الامر انہ خص بالتصدیق بامور مخصوصۃ**

ومعناه ما یعبر عنه بکرویدن وراست کوئی داشتن-ویقابله التکذیب وینافیه التردد-وهو غیر العلم والمرفة-لان من الکفار من کان یعرف ولا یصدق-قال اللّٰه:(اللذین آتیناهم الکتاب یعرفونه کما یعرفون ابنائهم) (وان اللذین اوتوا الکتاب لیعلمون انه الحق)(وجحدوا بها واستیقنتها انفسهم)

وبین الفرق بان المقابل للتصدیق الانکار والتکذیب-وللمعرفة النکر والجهالة-ولهذا قد یفسر بالتسلیم وبالعکس-وبان التصدیق ربط القلب علی ما علم من اخبار المخبر وهو کسبی اختیاری-ولهذا یؤمر به ویثاب علیه-والمعرفة ربما تحصل بلا کسب-ولقد زاد من قال:المعتبر فی الایمان التصدیق الاختیاری-ومعناه نسبة الصدق الی المتکلم اختیارا -وبهذا یمتاز عما جعل فی المنطق مقابلا للتصور فانه قد یخلو عن الاختیار فلا یکون تصدیقا فی اللغة-فلا یکون ایمانا فی الشرع-کیف والتصدیق مامور به-فیکون فعلا اختیاریا هو ایقاع النسبة اختیارا)

(شرح المقاصد: جلد پنجم: ص183-184-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ:حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد مبارک کے ذریعہ بیان فرمایا ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کو ماننا ہے......الحدیث

غایت امر یہ کہ تصدیق شرعی کو چند خاص امور کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا اور تصدیق کا معنی وہ ہے جس کو گرویدن (معتقد ہونا) اور راست گو داشتن (سچا ماننا) سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اس کی ضد تکذیب ہے اور تردد اس کے منافی ہے اور یہ تصدیق علم ومعرفت کے علاوہ ہے، کیوں کہ بہت سے کفار معرفت رکھتے تھے،لیکن تصدیق نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی، وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔(کنز الایمان) اور وہ جنہیں کتاب ملی ہے، ضرور

جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔(کنزالایمان)

اوران کے منکر ہوئے، اوران کے دلوں میں ان کا یقین تھا۔(کنزالایمان)

اور (تصدیق ومعرفت کے درمیان) فرق بیان کیا گیا کہ تصدیق کا مقابل انکار وتکذیب ہے اور معرفت کی ضد لاعلمی و جہالت ہے، لہٰذا کبھی (تصدیق کی) تسلیم سے تفسیر کی جاتی ہے اور اس کے برعکس (تسلیم کی تفسیر تصدیق سے کی جاتی ہے) اور یہ تفسیر کی جاتی ہے کہ تصدیق دل کا اس سے مرتبط ہوجانا (اس کا معتقد ہوجانا) ہے جو مخبر کے خبر دینے سے معلوم ہوا، اور یہ کسبی واختیاری امر ہے، اسی لیے تصدیق کا حکم دیا جاتا ہے اور اس پر ثواب دیا جاتا ہے، اور معرفت کبھی بلا کسب حاصل ہوتی ہے۔

اور اس نے اضافہ کیا ہے جس نے کہا کہ ایمان میں تصدیق اختیاری معتبر ہے اور اس کا معنی ہے: اختیار کے ساتھ متکلم کی طرف سچائی کی نسبت کرنا، اور (تصدیق شرعی) اس قید کے ذریعہ اس سے ممتاز ہوجاتی ہے جس کو منطق میں تصور کا مقابل بنایا گیا، کیوں کہ تصدیق منطقی کبھی اختیار سے خالی ہوتی ہے، پس وہ لغت میں تصدیق نہیں ہے، پس وہ شریعت میں ایمان نہیں ہے۔ بھلا وہ تصدیق شرعی کیسے ہوسکتی ہے، حالاں کہ تصدیق شرعی کا حکم دیا گیا ہے تو وہ فعل اختیاری ہوگی، وہ اختیار کے ساتھ نسبت کو واقع کرنا ہے۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا: ’’اس میں شک نہیں کہ ابوطالب تمام عمر حضور سیّد المرسلین سیّد الاولین والآخرین سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم الیٰ یوم القرار کی حفظ وحمایت وکفایت ونصرت میں مصروف رہے۔ اپنی اولاد سے زیادہ حضور کو عزیز رکھا، اور اس وقت میں ساتھ دیا کہ ایک عالم حضور کا دشمن جاں ہوگیا تھا، اور حضور کی محبت میں اپنے تمام عزیزوں قریبوں سے مخالفت گوارا کی، سب کو چھوڑ دینا قبول کیا، کوئی دقیقہ غمگساری و جاں نثاری کا نامرعی نہ رکھا، اور یقیناً جانتے تھے کہ حضور افضل المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ان پر ایمان لانے میں جنت ابدی اور تکذیب میں

جہنم دائمی ہے۔ بنو ہاشم کو مرتے وقت وصیت کی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرو، فلاح پاؤ گے۔ نعت شریف میں قصائد ان سے منقول، اور اُن میں براہ فراست وہ امور ذکر کیے کہ اس وقت تک واقع نہ ہوئے تھے۔ بعد بعثت شریف ان کا ظہور ہوا۔ یہ سب احوال مطالعہ احادیث و مراجعت کُتب سیر سے ظاہر۔

ایک شعر ان کے قصیدے کا صحیح بخاری شریف میں بھی مروی:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامیٰ عصمة للارامل

(وہ گورے رنگ والے جن کے رُوئے روشن کے توسّل سے مینہ برستا ہے، یتیموں کے جائے پناہ، بیواؤں کے نگہبان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ت)

محمد بن اسحٰق تابعی صاحبِ سیر و مغازی نے یہ قصیدہ بتمامہا نقل کیا جس میں ایک سو دس بیتیں مدحِ جلیل و نعتِ منیع پر مشتمل ہیں۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، شرح صراطِ مستقیم میں اس قصیدہ کی نسبت فرماتے ہیں:

دلالت صریح دارو بر کمال محبت و نہایت نبوت او، انتہی۔

(یہ قصیدہ ابو طالب کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کمال محبت اور آپ کی نبوت کی انتہائی معرفت پر دلالت کرتا ہے۔ت)

مگر مجرد ان امور سے ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ کاش یہ افعال واقوال اُن سے حالتِ اسلام میں صادر ہوتے تو سیّدنا عباس، بلکہ ظاہراً سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی افضل قرار پاتے اور افضل الاعمام حضور افضل الانام علیہ وعلیٰ آلہ وافضل الصلوٰۃ والسلام کہلائے جاتے۔ تقدیر الٰہی نے بربنا اُس حکمت کے جسے وہ جانے یا اُس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انہیں گروہِ مسلمین و غلامانِ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں شمار کیا جانا منظور نہ فرمایا: (فاعتبروا یا اولی الابصار) (تو عبرت لواے نگاہ والو! ت)

صرف معرفت گو کیسی ہی کمال کے ساتھ ہو، ایمان نہیں۔ دانستن و شناختن اور چیز

ہے اور اذعان وگرویدن اور۔کم کافر تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے پیغمبر ہونے کا یقین نہ تھا۔

(جحدوا بها واستيقنتها انفسهم)

(اوران کے منکر ہوئے اوران کے دلوں میں ان کا یقین تھا۔ت)

اور علمائے اہل کتاب تو عموماً جزمِ کلی رکھتے تھے حتی کہ یہ امران کے نزدیک کالعیان سے بھی زائد تھا۔معائنہ میں بصر غلطی بھی کرتی ہے اور یہاں کسی طرح کا شبہ واحتمال نہ تھا۔

قال جل وعلا (اللہ جل وعلا نے فرمایا):(يعرفونه كما يعرفون ابناء هم)

(وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔ت)

وقال عزمن قائل:

(فلما جاء هم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكفرين)

(توجب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا،اس کے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔ت)

وقال جل ذكره:(يجدونه مكتوباً عندهم فى التورٰة والانجيل)

(لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اورانجیل میں۔ت)

بعض کورچشم بدباطن وہابیہ عصر کہ اس میں کلام کرتے اور کہتے ہیں:اگر اہل کتاب کے یہاں حضور کا ذکر رسالت ہوتا تو ایمان کیوں نہ لاتے۔نصوص قاطعہ سے انکار اور خدا ورسول کی تکذیب اور یہود ونصارٰی کی حمایت وتصدیق کرنے والے ہیں۔اعوذ باللہ من وسواس الشیطان (میں شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ت)

شرح عقائد نسفی میں ہے:(ليست حقيقة التصديق ان تقع فى القلب نسبة الصدق الى الخبر والمخبر من غير اذعان وقبول-بل هو اذعان وقبول لذٰلك بحيث يقع عليه اسم التسليم على ما صرح به الامام الغزالى)

(حقیقت تصدیق یہ نہیں کہ دل میں خبر یا مخبر کی سچائی کی نسبت واقع ہو جائے بغیر اذعان وقبول کے، بلکہ وہ تو اذعان اور اس طرح قبول کرنا ہے کہ اس پر اسمِ تسلیم واقع ہو، جیسا کہ امام غزالی علیہ الرحمہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت)

اسی میں ہے: **(بعض القدرية ذهب الٰى ان الايمان هو المعرفة واطبق علماؤنا علٰى فساده-لان اهل الكتاب كانوا يعرفون نبوة محمد صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم كما كانوا يعرفون ابناء هم مع القطع بكفرهم لعدم التصديق-ولان من الكفار من كان يعرف الحق يقينا-وانما كان ينكر عنادًا او استكبارًا قال اللّٰه تعالٰى: (وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم)**

(بعض قدریہ اس طرف گئے ہیں کہ ایمان فقط معرفت کو کہتے ہیں، اور ہمارے علما کا اس قول کے فساد پر اجماع ہے، کیوں کہ اہل کتاب محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے، اس معرفت کے باوجود ان کا کفر قطعی ہے، کیوں کہ وہاں تصدیق نہیں پائی گی، اور اس لیے بھی کہ بعض کافر یقینی طور پر حق کو پہچانتے تھے اور محض عناد وتکبر کی وجہ سے انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا؛ حالاں کہ ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا۔ت)

محقق دوانی شرح عقائد عضدی میں فرماتے ہیں:

(التلفظ بكلمتى الشهادتين مع القدرة عليه شرط فمن اخل به فهو كافر مخلد فى النار-ولا تنفعه المعرفة القلبية من غير اذعان وقبول-فان من الكفار من كان يعرف الحق يقينا-وكان انكاره عنادًا واستكبارًا كما قال اللّٰه تعالٰى: (وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلمًا وعلوًا)

(شہادت کے دوکلموں کے ساتھ تلفظ کرنا جب کہ اس پر قادر ہو، ایمان کی شرط ہے تو جس نے اس میں کوتاہی کی تو وہ کافر ہے اور دائمی طور پر جہنم میں رہنے والا ہے، اور اذعان و

قبول کے بغیر معرفتِ قلبی اس کو نفع نہیں دے گی، کیوں کہ بعض کافر ایسے ہیں جو یقینی طور پر حق کو پہچانتے تھے، ان کا انکار عناد وتکبر کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان کے منکر ہوئے حالاں کہ ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا ظلم اور تکبر کی وجہ سے۔ت)

(شرح المطالب: فتاویٰ رضویہ: جلد29:ص657-660- جامعہ نظامیہ لاہور)

شہادت کے دوکلموں سے توحید ورسالت کی شہادت مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ عزوجل کے معبود برحق ہونے کی گواہی دینا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دینا شرط ہے۔ زبان سے انکار کرے تو تصدیق قلبی سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔

الغرض تصدیق اختیاری ایمان ہے اور تصدیق اضطراری ایمان نہیں ہے۔ تصدیق اختیاری ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی ہے اور تصدیق اضطراری ہر ایک کو حاصل ہوتی ہے۔

ایمان بالغیب اور یقین اختیاری

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دیدار الٰہی کا مطالبہ کیا، تا کہ یقین اضطراری حاصل ہو جائے، لیکن یہ مطالبہ پورا نہیں کیا گیا، کیوں کہ ایمان بالغیب کا حکم ہے۔ ایمان بالغیب میں یقین اختیاری ہوتا ہے، اور ایمان میں یقین اختیاری مطلوب ہے، گرچہ بعض ضروریات دین کا یقین اضطراری بھی حاصل ہو۔

(1)(**وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ**)(سورہ بقرہ: آیت55)

ترجمہ: اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے جب تک علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے آ لیا اور تم دیکھ رہے تھے۔(کنز الایمان)

(2)(**یَسْـئَلُکَ اَھْلُ الْکِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْھِمْ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰی اَکْبَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَقَالُوْا اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْھُمُ الصّٰعِقَۃُ**

بِظُلْمِهِمْ) (سورہ نساء: آیت 153)

ترجمہ: اے محبوب! اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دو تو وہ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے کہ بولے ہمیں اللہ کو علانیہ (ظاہر کر کے) دکھا دو تو انہیں کڑک نے آلیا ان کے گناہوں پر۔ (کنز الایمان)

قرآن مجید کی متعدد آیات مقدسہ میں ایمان بالغیب کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین کیا جائے۔عقل کے ذریعہ غور وفکر کر کے شبہات باطلہ کو دور کیا جائے۔یہی یقین اختیاری ہے۔شبہات باطلہ کو دور کرنے کے واسطے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوئی۔ختم نبوت کے بعد یہ ذمہ داری علمائے اسلام کے سپرد ہے کہ وہ شبہات باطلہ دور کریں۔موت کے وقت حالت نزع میں سب کچھ دیکھ کر کافر ایمان لائے تو یہ ایمان معتبر نہیں۔اسی طرح قیامت میں کفار سب کچھ دیکھ کر ایمان لائیں گے۔یہ ایمان معتبر نہیں۔وہ دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی تمنا بھی کریں گے، لیکن مرتے ہی موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔جو کچھ کرنا ہے، موت سے پہلے کرلیا جائے۔

منافقین کو یقین اختیاری حاصل نہیں تھا

منافقین کو یقین اختیاری حاصل نہیں تھا، اسی لیے انہیں کافر قرار دیا گیا۔

ارشاد الٰہی ہے: (اِذَا جَـآئَکَ الْـمُـنٰـفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ)

(سورہ منافقون: آیت 1)

ترجمہ: جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔ (کنز الایمان)

منافقین اپنی گواہی میں جھوٹے تھے، کیوں کہ وہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دل سے اللہ کا رسول نہیں مانتے تھے، بلکہ زبان سے صرف جھوٹی گواہی دیتے تھے۔

کفار ومشرکین اور مرتدین وضالین اور یقین اختیاری

(1) کفار ومشرکین کو اسلام کی حقانیت کا یقین اختیاری حاصل نہیں ہوتا ہے۔

(2) مرتدین کو بعض ضروریات دین کا یقین اختیاری حاصل نہیں ہوتا ہے، لہٰذا وہ خارج اسلام قرار پاتے ہیں۔ضروریات دین کی دلیل قطعی الدلالت بالمعنی الاخص (مفسر) وقطعی الثبوت بالمعنی الاخص (متواتر) ہوتی ہے، لیکن مرتدین کو شبہہ لاحق ہوجاتا ہے، جس کے سبب یقین اختیاری حاصل نہیں ہو پاتا ہے اور وہ خارج اسلام قرار پاتے ہیں۔

(3) ضالین کو ضروریات اہل سنت میں سے کسی امر کا یقین اختیاری حاصل نہیں ہو پاتا ہے، لہٰذا وہ خارج اہل سنت قرار پاتے ہیں۔ضروریات اہل سنت کی دلیل قطعی بالمعنی الاعم ہوتی ہے۔ضلالت کے مختلف درجات ہیں۔ضروریات اہل سنت کے علاوہ بھی متعدد امور کے انکار کے سبب ضلالت وگمرہی کا حکم نافذ ہوتا ہے۔

تصدیق شرعی سے خاص قسم کی تصدیق مراد

ایمان کی تعریف میں تصدیق سے یقینی اعتقاد مراد ہے، یعنی یقین بھی ہو، اور اعتقاد بھی ہو۔تصدیق منطقی میں اعتقاد کی ضرورت نہیں، نیز تصدیق منطقی ظن کو بھی شامل ہوتی ہے۔

علامہ سید شریف جرجانی نے رقم فرمایا:((**التصدیق للرسول فیما علم مجیئہ بہ ضرورۃً تفصیلًا)فِیْمَا عُلِمَ تَفْصِیْلًا(وَاِجْمَالًا)فِیْمَا عُلِمَ اِجْمَالًا-فَھُوَ فِی الشَّرْعِ تَصْدِیْقٌ خَاصٌّ**) (شرح مواقف:ص718-مطبع نول کشور لکھنو)

ترجمہ:حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جس امر کو لانا بدیہی طور پر ثابت ہو، اس امر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا (ایمان) ہے، جس کا تفصیلی علم ہو،

اس کی تفصیلی تصدیق کرنا اور جس کا اجمالی علم ہو، اس کی اجمالی تصدیق کرنا (ایمان) ہے، پس یہ شریعت میں ایک خاص تصدیق ہے۔

علامہ تفتازانی شافعی نے تصدیق شرعی کی تفصیل شرح مقاصد (جلد پنجم: ص175 تا ص192- عالم الکتب بیروت) میں رقم فرمائی ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی نے تصدیق شرعی کے بارے میں رقم فرمایا:

(المعتبر فی التصدیق هو الیقین اعنی الاعتقاد الجازم المطابق)

(شرح المقاصد: جلد پنجم: ص218- عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: تصدیق میں یقین معتبر ہے، یعنی نفس الامر کے مطابق یقینی اعتقاد۔

علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا: **(ان الایمان یزید وینقص-ومنعه الجمهور لما انه اسم للتصدیق البالغ حد الیقین-وهو لا یتفاوت)**

(شرح المقاصد جلد پنجم: ص210- عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: ایمان بڑھتا گھٹتا ہے اور جمہور علما نے اس کی نفی کی، کیوں کہ ایمان اس تصدیق کا نام ہے جو حد یقین تک پہنچا ہو، اور یہ متفاوت نہیں ہوتا ہے۔

علامہ خیالی نے تصدیق وایمان کے مفہوم کو بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا:

(ان المعنی المعبر عنه"بگرویدن"امر قطعی-وقد نص علیه فی شرح المقاصد-ولذا یکفی فی باب الایمان الذی هو التصدیق البالغ حد الجزم والاذعان-مع ان التصدیق المنطقی یعم الظنی بالاتفاق)

(حاشیۃ الخیالی علیٰ شرح العقائد: ص125)

ترجمہ: وہ معنی جس کو"گرویدن" سے تعبیر کیا جاتا ہے، قطعی امر ہے۔ شرح مقاصد میں اس کی صراحت کی گئی ہے، اسی لیے باب ایمان میں وہ تصدیق کافی ہوگی جو تصدیق جزم ویقین تک پہنچی ہوئی ہو، حالاں کہ تصدیق منطقی بالاتفاق ظنی کو عام ہوتی ہے۔

تصدیق منطقی ظن ویقین دونوں کوشامل ہوتی ہے۔تصدیق منطقی دونوں سے عام ہے۔

ملاعصام نے رقم فرمایا:(**والمعنی الذی یعبر عنه فی الفارسیة"بگرویدن" هو التصدیق المقابل للتصور–ولکن الایمان اخص من التصدیق المذکور فی اوائل کتب المیزان کالتصدیق فی کتب الکلام–لان التصدیق فی کتب الکلام قِسْمٌ لِلْعِلْمِ الْمُفَسَّرِ بِمَا لَا یَحْتَمِلُ الظَّنَّ وَالْجَهْلَ وَالتَّقْلِیْدَ بِخَلَافِ کُتُبِ الْمِیْزَانِ**)(حاشیۃ ملاعصام علی شرح العقائد النسفیہ:ص125)

ترجمہ:وہ معنی جس کوفارسی میں"گرویدن"سے تعبیر کیا جاتا ہے،یہ وہ تصدیق ہے جو تصور کے مقابل ہے،لیکن ایمان کتب منطق کے شروع میں مذکور تصدیق سے خاص ہوتا ہے ،جیسے علم کلام کی کتابوں میں (مذکور) تصدیق ،کیوں کہ علم کلام کی کتابوں میں(مذکور) تصدیق اس علم کی قسم ہے،جس کی تشریح اس سے کی جاتی ہے کہ وہ ظن،جہل اورتقلید کا احتمال نہیں رکھتا ہے،برخلاف منطق کی کتابوں کے۔

ایمان کی تعریف میں تصدیق سے یقین مراد ہے۔اس میں ظن،جہل اورتقلید کی گنجائش نہیں،نیز تصدیق شرعی کے مفہوم میں یقین کے ساتھ اعتقاد کا مفہوم بھی شامل ہے، جب کہ تصدیق منطقی میں اعتقاد کا مفہوم شامل نہیں،اس طرح تصدیق شرعی اورتصدیق منطقی میں فرق ہے۔بہت سے لوگوں کواسلام کی حقانیت کا یقین ہوجاتا ہے،لیکن وہ اسلام کوقبول نہیں کرتے ،پس یقین الگ ہے اوراعتقاد الگ۔ایمان اس یقین کا نام ہے جس کے ساتھ اعتقاد بھی ہو۔ابوطالب کوبھی اسلام کی حقانیت کا یقین تھا،لیکن اسلام قبول نہ کرسکے۔فارسی لفظ"گرویدن"کامعنی معتقد ہونا ہے۔تصدیق شرعی میں اعتقاد کا مفہوم شامل ہے۔

ایمان اجمالی اورایمان تفصیلی کا بیان

(1)امام نجم الدین عمر بن محمد نسفی حنفی نے رقم فرمایا:(**الایمان هو التصدیق بما**

جاء به من عند اللّٰہ تعالٰی) (العقائد النسفیہ مع شرح التفتازانی:ص119)

ترجمہ: ایمان اس کی تصدیق کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے لے کر آئے۔

(2) علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا: (ای تصدیق النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بالقلب فی جمیع ما عُلِمَ بالضرورة مَجِیْئُہ صلی اللّٰہ علیه وسلم به من عند اللّٰہ تَعَالٰی اجمالًا-فانه کافٍ فی الخروج عن عهدة الایمان-ولا تنحط درجتُه عن الایمان التفصیلی) (شرح العقائد النسفیہ:ص120: مجلس برکات مبارکپور)

ترجمہ: یعنی ان تمام امور میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجمالی طور پر تصدیق دل سے کرنا ہے جن امور کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے لانا بدیہی طور پر ثابت ہے، کیوں کہ اجمالی تصدیق فریضہ ایمان کی ادائیگی میں کافی ہے اور ایمان اجمالی کا درجہ ایمان تفصیلی سے کم نہیں ہوگا۔

جب اجمالی ایمان کافی ہے تو مومن ہونے کے لیے تمام اسلامی عقائد کو تفصیلی طور پر جاننا بھی شرط نہیں، پھر تمام عقائد کی تحقیق یعنی دلیل سے جاننے کی شرط، یا تمام عقائد ضروریہ دینیہ کو عقلی دلیل سے جاننے کی شرط کیسے ہوگی۔ معتزلہ کا مذہب یہی ہے کہ تمام عقائد اسلامیہ کو عقلی دلیل کے ساتھ جاننا لازم ہے، اس طرح کہ منکرین کے شبہات کا جواب دے سکے۔

مندرجہ ذیل عبارتوں میں ایمان اجمالی کے کافی ہونے کا ذکر ہے۔

(3) علامہ سید شریف جرجانی نے رقم فرمایا: ((التصدیق للرسول فیما علم مجیئه به ضرورةً تفصیلًا) فِیْمَا عُلِمَ تَفْصِیْلًا (وَاِجْمَالًا) فِیْمَا عُلِمَ اِجْمَالًا-فَهُوَ فِی الشَّرْعِ تَصْدِیْقٌ خَاصٌّ) (شرح مواقف:ص718-مطبع نول کشور لکھنو)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جس امر کو لانا بدیہی طور پر ثابت ہو، اس امر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا (ایمان) ہے، جس کا تفصیلی علم ہو، اس کی تفصیلی تصدیق کرنا اور جس کا اجمالی علم ہو، اس کی اجمالی تصدیق کرنا (ایمان) ہے،

پس یہ شریعت میں ایک خاص تصدیق ہے۔

(4) امام ابن حجر ہیتمی شافعی نے ضروریات دین کے بارے میں رقم فرمایا:

(ان التصدیق بذلک له جهتان-اِجْمَالِیٌّ وهو مندرج فی التصدیق بالوحدانیة ورسالة محمد صلی اللّٰه علیه وسلم-وهذا یکفی ممن لم یخطر بباله شَیْءٌ من التفاصیل المعلومة من الدین بالضرورة-وتفصیلی وهو شرطٌ فِیْمَنْ لحظ شَیْئًا من تلک التفاصیل-فَلَا یَکون مومنًا حَتّٰی یُصَدِّقَ بِمَا لحظه اَوْ عَرَفَه مِنْهَا) (الفتاوی الحدیثیہ: ص 141 - دارالفکر بیروت)

ترجمہ: ضروریات دین کی تصدیق کی دوصورت ہے: (۱) اجمالی تصدیق اور یہ توحید خداوندی ورسالت مصطفوی کی تصدیق میں شامل ہے، اور اجمالی تصدیق اس کی جانب سے کافی ہے جس کے دل میں ان تفاصیل میں سے کسی کا خیال نہ گزرے جو دین سے بدیہی طور پر معلوم ہیں، (۲) اور تفصیلی تصدیق اس کے حق میں شرط ہے جو ان تفاصیل میں سے کسی کو جانے، پس وہ مومن نہیں ہوگا، یہاں تک کہ اس امر کی تصدیق کرے کہ ان میں سے جس امر کو وہ جانا یا جس کی معرفت حاصل کیا۔

(5) علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا: (التصدیق بجمیع ما جاء به النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اجمالًا کافٍ فی صحة الایمان-وانما یحتاج الٰی بیان الحق فی التفاصیل عند ملاحظتها-وَاِنْ کَانَتْ عَمَّا لَاخِلَافَ فِیْ تَکْفِیْرِ الْمُخَالِف فیها-کحدوث العالم-فَکَمْ مِنْ مؤمن لَمْ یعرف معنی الحادث والقدیم اصلًا ولم یخطر بباله حدیث حشر الاجساد قطعًا-لکن اذا لاحظ ذلک-فلو لم یصدق، کان کافرًا) (شرح المقاصد: جلددوم: ص 270)

ترجمہ: صحت ایمان کے لیے ان تمام امور کی اجمالی تصدیق کافی ہے جن کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے، اور تفصیلی امور میں ان کو جاننے کے وقت بیان حق کی

ضرورت ہوتی ہے، اگرچہ وہ تفصیلی امور ان میں سے ہو جن کے مخالف کی تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں، جیسے دنیا کا حادث ہونا، پس کتنے ہی مومن ہیں کہ وہ حادث وقدیم کا معنی بالکل نہیں جانتے ہیں اوراس کے دل میں حشر جسمانی کی بات کا قطعاً خیال نہیں آیا، لیکن جب وہ اس کو جانے تو اگر وہ تصدیق نہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(6)امام ابن حجر ہیتمی شافعی نے رقم فرمایا:(**اَنَّ الشَّرط فی ابتداء الایمان اِنَّمَا ھو التصدیق بجمیع المعلوم بالضرورۃ اجمالًا-فَیَکْفِیْ ذلک-ولا یشترط التصدیق بالامور التفصیلیۃ الضروریۃ-اِلَّا لِمَنْ عَلِمَھَا تفصیلًا-فَیُکَلَّفُ بِالتَّصدیق والاذعان بھا-فَاِنْ صَدَّقَ وَاَذْعَنَ،اِسْتَمَرَّ عَلٰی اِیْمَانِہ-وَاِلَّا کَفَرَ مِنْ حِیْنَئِذٍ**)(الفتاوی الحدیثیہ:ص140-دارالفکر بیروت)

ترجمہ:ابتدائے ایمان میں صرف تمام ضروریات دین کی اجمالی تصدیق کی شرط ہے، پس اجمالی تصدیق کافی ہوگی اور امور تفصیلیہ بدیہیہ کی تصدیق کی شرط نہیں، مگر اس کے لیے جو ان کو تفصیلی طور پر جانے، پس ان کی تصدیق ویقین کا وہ مکلف ہوگا تو اگر وہ تصدیق ویقین کرلے تو وہ اپنے ایمان پر مستمر رہے گا، ورنہ اسی وقت وہ کافر ہو جائے گا۔

(7)امام ابن حجر ہیتمی شافعی نے رقم فرمایا:(**ومِنْھَا قول المحقق الکمال بن ابی شریف فی شرحہ مسایرۃ شیخہ المحقق الکمال بن الھمام:(جمھور الاشاعرۃ وبہ قال الماتریدی-ان الایمان ھو التصدیق بالقلب فقط ای قبولہ واذعانہ لِمَا عُلِمَ بالضرورۃ من دین محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم بحیث تَعْلَمُہُ الْعَامَّۃُ من غیر نظر واستدلال-کالوحدانیۃ والنبوۃ والبعث والجزاء ووجوب الصلاۃ والزکاۃ والحج وحرمۃ الخمر ونحوھا.**

ویکفی الاجمال فِیْمَا یُلَاحِظُ اِجْمَالًا کَالْاِیْمَان بالملائکۃ والکتب والرسل-ویشترط التفصیل فِیْمَا یُلَاحِظُ تَفْصِیْلًا کجبرئیل ومیکائیل

وموسٰی وعیسٰی عَلَیْهُمُ السَّلام والتوراۃ والانجیل–حَتّٰی مَنْ لَمْ یُصَدِّقْ بواحدٍ مِنْهَا کَفَرَ)اِنْتَهٰی–فافهم هذا.

اِنَّ ما علم من الدین بالضرورۃ–اِنْ شعر به من جَهِلَه–اِشْتَرَطَ تَصْدِیْقُه به اِجْمَالًا،اِنْ شَعُرَ به اِجْمَالًا– کالملائکة والکتب والرسل–و تَفْصِیْلًا اِنْ شَعُرَ بِه تَفْصِیْلًا کجبرئیل وموسٰی والتوراۃ–وَاَنَّه لا یشترط فی صحة الایمان–اَنْ یُصَدِّقَ بالاشیاء الْمُفَصَّلَةِ اِلَّا اِذَا شَعُرَ بِهَا مُفَصَّلَةً)

(الفتاوی الحدیثیہ:ص140-دارالفکر بیروت)

ترجمہ:اورانہی میں سے محقق کمال الدین ابن ابی شریف شافعی کاقول اپنے شیخ محقق کمال ابن ہمام حنفی کی کتاب ''مسایرہ'' کی اپنی شرح میں ہے:جمہوراشاعرہ اوراسی کاقول امام ابومنصور ماتریدی نے کیا کہ ایمان صرف دل سے تصدیق کرنا ہے،یعنی اس کوقبول کرنا اوراس کایقین کرنا ہے جودین مصطفوی سے بدیہی طورپر معلوم ہے اس طرح کہ عام مسلمین بلانظرواستدلال اس کا یقین کرتے ہوں جیسے توحید خداوندی،نبوت،حشر،جزائے اعمال، نماز،زکات وحج کی فرضیت اورشراب وغیرہ کی حرمت۔

اوران امور میں اجمالی تصدیق کافی ہے جن کواجمالی طورپر جانے جیسے فرشتوں، (اللہ تعالیٰ کی) کتابوں اوررسولوں پرایمان اورتفصیلی تصدیق کی شرط ان امور میں ہے جن کو تفصیلی طورپر جانے جیسے حضرت جبرئیل ومیکائیل وحضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام اور توریت وانجیل پرایمان،یہاں تک کہ جوان میں سے کسی ایک کی تصدیق نہ کرے تووہ کافر ہے۔(ان کا کلام) تمام ہوا،پس اسے سمجھ لو۔

بے شک دین کاجوامر بدیہی طورپرمعلوم ہے،اگرناواقف اس کوجان لے تواس کی اجمالی تصدیق کی شرط ہے،اگر اسے اجمالی طورپر جانے،جیسے فرشتے،(اللہ تعالیٰ کی) کتابیں اورمرسلین عظام(کی اجمالی تصدیق شرط ہے)،اورتفصیلی تصدیق کی شرط ہے اگر

اسے تفصیلی طور پر جانے ،جیسے حضرت جبرئیل اور حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہم السلام (کی تفصیلی تصدیق شرط ہے)اور ایمان کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط نہیں کہ امور مفصلہ کی تصدیق کرے،مگر جب ان امور کو تفصیلی طور پر جانے۔

اسلام میں داخل ہونے کے لیے ایمان اجمالی کافی ہے۔ہاں،جن امور کا تفصیلی علم ہو،اس کی تفصیلی تصدیق لازم ہے،اور ناواقف شخص کو جس امر کی تفصیل معلوم ہوجائے،اس کی تفصیلی تصدیق لازم ہے۔اگر تفصیلی علم ہوجانے کے بعد تفصیلی امور میں سے کسی ایک امر کا بھی انکار کرے گا تو منکر پر حکم شرعی نافذ ہوگا۔اگر ضروریات دین کا انکار کرے گا تو کافر قرار پائے گا۔اگر ضروریات اہل سنت کا انکار کرے گا تو متکلمین کے یہاں گمراہ قرار پائے گا۔حنفی فقہا اور ان کے مؤیدین ضروریات اہل سنت کے انکار پر تکفیر فقہی کرتے ہیں۔

الحاصل جب ایمان صحیح ہونے کے لیے تمام عقائد اسلامیہ کو تفصیلی طور پر جاننا شرط نہیں تو تمام عقائد اسلامیہ کو عقلی استدلال کے ساتھ جاننے کی شرط کیسے ہوگی۔معتزلہ کا نظریہ غلط ہے کہ تمام عقائد اسلامیہ کو عقلی استدلال کے ساتھ اس طرح جانے کہ مخالفین کے شبہات کا جواب دے سکے۔طریق نبوی اور طریق صحابہ کرام سے یہ بات ثابت نہیں ہے،نیز آج تک ائمہ امت وعلمائے ملت طریق نبوی وطریق صحابہ کرام پر قائم ہیں کہ جسے تصدیق شرعی حاصل ہے،اسے مومن مانتے ہیں،خواہ وہ شخص عقلی استدلال کرے،یا نہ کرے۔

معتزلہ دنیا سے ناپید ہوگئے۔اب صرف کتابوں میں ان کا مذہب موجود ہے۔اس مذہب کا کوئی پیروکار دنیا میں موجود نہیں۔اسی طرح قدریہ،جہمیہ،مشبہہ،کرامیہ ودیگر باطل فرقے بھی دنیا سے معدوم ہوگئے۔سواد اعظم اہل سنت وجماعت عہد رسالت سے تاامروز موجود ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قرب قیامت تک مذہب اہل سنت کے متبعین موجود رہیں گے۔مذہب اہل سنت ہی مذہب حق وقابل اتباع ہے۔اسی پر عمل میں نجات اخروی ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ العظیم

باب پنجم

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ واصحابہ اجمعین

عذر سے متعلق برزنجی نظریہ نا قابل قبول

ابوطالب کے حق میں نہ اکراہ کی صورت ثابت ہے، نہ اکراہ کا حکم ثابت ہے۔اکراہ کا حکم مومن کے لیے ہے اور ابوطالب نے ایمان لایا ہی نہیں تھا تو اس کے لیے اکراہ کا حکم کیسے ثابت ہوگا۔اگر ابوطالب مومن ہوتے، پھر اکراہ تام کے سبب ایمان کو چھپاتے تو وہ معذور تسلیم کیے جاتے۔جب ایمان ہی ثابت نہیں تو ان کو معذور ومجبور کیسے مانا جائے۔

ارشادالٰہی ہے:(مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ)(سورہ نحل:آیت 106)(جو ایمان لا کر اللہ کا منکر ہو،سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو،ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے۔(کنز الایمان)

آیت طیبہ میں صریح طور پر بیان کیا گیا کہ جو ایمان لانے کے بعد اکراہ کے سبب کفر کہے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو وہ معذور ہے۔ابوطالب کے لیے ایمان لانا ہی ثابت نہیں تو پھر اکراہ کا حکم ان کے لیے کیسے ثابت ہوگا؟ الغرض علامہ برزنجی کا قدم اس منزل میں پھسل گیا اور اہل سنت وجماعت کے یہاں صرف حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں۔بشر غیر معصوم سے لغزش وخطا ہوسکتی ہے، نیز جب بنیاد ہی جدلی اصول وقوانین اور مناظراتی قواعد وضوابط ہوں تو ان سے حکم شرعی کا ثبوت کیسے ہوگا؟

حق وہی ہے جس پر اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے کہ ابوطالب مومن نہیں ہے اور ابوطالب کے لیے کامل نجات نہیں ہے، بلکہ احادیث نبویہ کے مطابق ناقص نجات ہے۔

عذر سے متعلق علامہ برزنجی کی عبارت باب اول میں منقول ہے۔ترجمہ درج ذیل ہے:

''لیکن جب ظاہری نافرمانی اور شہادتین کا نہ بولنا کسی عذر کے سبب ہو،عناد کے سبب نہ ہوتو ایمان باطنی صاحب ایمان باطنی کو باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دار آخرت میں نفع دے گا،لیکن حکم ظاہر میں کفار کا معاملہ کیا جائے گا،پس کہا جائے گا کہ یہ احکام دنیا کے اعتبار سے کافر ہے اور جو عذر ظاہر میں فرماں برداری سے روکتا ہے،اس کے چند اسباب ہیں:

(1)اسی میں سے ظالم کا خوف ہے کہ اگر وہ اپنے اسلام اور ظاہری طاعت کا اظہار کرے تو خوف کرے کہ وہ اسے قتل کر دے،یا اسے ایسی اذیت دے جسے وہ برداشت نہ کر سکے،یا اس کے اولاد واقارب میں سے کسی کو اذیت دے،پس اس کو اپنے اسلام کا اخفاء جائز ہے،بلکہ اگر ظالم اسے کفر بولنے پر مجبور کرے تو اس کے لیے کلمہ کفر بولنا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے ارشاد مبارک میں اس جانب اشارہ کیا:(سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو،ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے۔(کنزالایمان)

اور اسی قبیل سے ابوطالب کا ظاہری فرماں برداری سے باز رہنا ہے،اپنے بھتیجے یعنی حضور اقدس سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خوف کرتے ہوئے،پس ابوطالب ان کی حمایت ونصرت کرتے اور ان سے ہر تکلیف کو دور کرتے،تاکہ وہ(حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)اپنے رب تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ کریں اور ابوطالب کی رعایت اور اس کی حمایت کی وجہ سے کفار قریش حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف دینے سے باز رہتے۔

اور حضرت عبد المطلب کے بعد قریش کی سرداری ابوطالب کے پاس تھی،پس قریش کے یہاں ان کا حکم نافذ تھا اور ان کی حمایت مقبول تھی،کیوں کہ قریش کو علم تھا کہ ابوطالب ان کفار کی ملت ومذہب پر ہیں اور اگر وہ لوگ جان لیتے کہ ابوطالب نے اسلام قبول کر لیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کر لی تو وہ لوگ ان کی حمایت ونصرت کو قبول نہیں

کرتے، بلکہ ابوطالب سے قتل وقتال کرتے اوران کوتکلیف دیتے اوران کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ تکلیف دینے والے کام کرتے۔

اورکوئی شک نہیں کہ یہ ابوطالب کے لیے قوی عذر ہے،ظاہری فرماں برداری اور حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع سے روکنے والا عذر ہے،اسی لیے ابوطالب ظاہر کرتے کہ وہ قریش کے دین وملت پر ہیں اور وہ اپنے اورحضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان قرابت ورشتہ داری کے سبب حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہیں، نہ کہ دین میں اتباع کی وجہ سے، بلکہ اس حمیت کی وجہ سے جواہل عرب کے درمیان مشہور تھی اور معجزات کے مشاہدہ کے سبب باطن میں ابوطالب کا قلب حضوراقدس رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق سے بھرا ہوا تھا جیسا کہ اس کی وضاحت آئے گی۔

اورابوطالب بظاہر ایسے الفاظ کہتے جواس عذر پردلالت کرتے اوردوسرے الفاظ کہتے جن سے کفار کو وہم ہوتا کہ وہ ان کے مذہب پر ہیں اورحضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبع نہیں ہیں،تا کہ ان الفاظ کے ذریعہ اپنی ذات سے شبہ اورتہمت کو دور کریں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبع ہیں،تا کہ کفار قریش ان کی حمایت ونصرت کونافذ کریں''۔

(اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص34-36-دارالامام النووی عمان)

ابوطالب کے لیے شرعی عذر ثابت نہیں

(1)اسنی المطالب میں ہے:''اور جوعذر ظاہر میں فرماں برداری سے روکتا ہے،اس کے چند اسباب ہیں:اسی میں سے ظالم کا خوف ہے کہ اگر وہ اپنے اسلام اورظاہری طاعت کا اظہار کرے تو خوف کرے کہ وہ اسے قتل کردے، یا اسے ایسی اذیت دے جسے وہ برداشت نہ کرسکے،یااس کے اولاد واقارب میں سے کسی کواذیت دے،پس اس کواپنے اسلام کا اخفاء جائز ہے''۔(اسنی المطالب:ص34-دارالامام النووی عمان)

اس عذر کے سبب ظالم کے سامنے اپنے ایمان کا اخفا جائز ہوگا اور اعلانیہ اسلام کے اظہار سے باز رہنا ہوگا۔ابوطالب مخفی طور پر حضور اقدس نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایمان کا اقرار کر سکتے تھے، نیز ابوطالب کی جانب سے نہ اقرار ثابت ہے، نہ ہی تصدیق شرعی ثابت، پھران کو مومن کیسے مانا جائے اوران سے موت کے وقت اقرار ایمان کا مطالبہ کیا گیا تھا، اس وقت ان کے پاس عدم اقرار کا کوئی شرعی عذر نہیں تھا، بلکہ کفار قریش امان دے کر بنی ہاشم کو شعب ابی طالب سے لا کر ان کے گھروں میں ان کو ٹھہرائے تھے۔

(2)اسنی المطالب میں ہے:''بلکہ اگر ظالم اسے کفر بولنے پر مجبور کرے تو اس کے لیے کلمہ کفر بولنا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے ارشاد مبارک میں اس جانب اشارہ کیا: (سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو، ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے۔(کنز الایمان)

(اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص35-دار الامام النووی عمان)

یہ عذر اس کے لیے ہو جو ایمان لا چکا ہو، اور پھر ظالم اسے کفر پر مجبور کرے اور ہلاک کرنے یا عضو تلف کرنے کی دھمکی دے۔جو ایمان ہی نہ لایا ہو، اس کے لیے یہ عذر ثابت نہیں۔علامہ برزنجی نے آیت مقدسہ کا ابتدائی حصہ رقم نہیں کیا جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حکم مومن کے لیے ہے، نہ کہ کافر کے لیے۔مکمل آیت منقوشہ ذیل ہے:

ارشاد الٰہی ہے:(**مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ**) (سورہ نحل: آیت 106) (جو ایمان لا کر اللہ کا منکر ہو، سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو، ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے۔(کنز الایمان)

(3)اسنی المطالب میں ہے:''معجزات کے مشاہدہ کے سبب باطن میں ابوطالب کا

قلب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق سے بھرا ہوا تھا جیسا کہ اس کی وضاحت آئے گی''۔(اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص34-دارالامام النووی عمان)

معجزات کو دیکھ کر بہت سے کفار کو بھی حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقانیت اور نبوت ورسالت کا یقین حاصل تھا،لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کافر قرار دیا،کیوں کہ ان کفار کو اذعان وقبول حاصل نہیں تھا۔ابو طالب کا یقین بھی اسی قسم کا تھا۔ایسا یقین ایمان کے لیے کافی نہیں،بلکہ اذعان وقبول لازم اور بوقت مطالبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:(وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا)

(سورۂ نمل:آیت14)

ترجمہ:اور ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا،ظلم اور تکبر سے۔

(کنزالایمان)

منقوشہ بالا آیت مقدسہ سے ثابت ہوا کہ جس طرح عناد کے سبب انکار کرنے والا کافر ہے۔اسی طرح تکبر کے سبب انکار کرنے والا بھی کافر ہے۔ابو طالب کا انکار بھی تکبر کے سبب تھا کہ قریش کی عورتیں اس پر ملامت کریں گی،لہٰذا اس نے اسلام قبول نہ کیا۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے تصدیق شرعی سے متعلق رقم فرمایا:

شرح عقائد نسفی میں ہے:(**ليست حقيقة التصديق ان تقع فى القلب نسبة الصدق الى الخبر والمخبر من غيراذعان وقبول–بل هو اذعان وقبول لذٰلك بحيث يقع عليه اسم التسليم على ما صرح به الامام الغزالى**)

(حقیقت تصدیق یہ نہیں کہ دل میں خبر یا مخبر کی سچائی کی نسبت واقع ہوجائے بغیر اذعان وقبول کے،بلکہ وہ تو اذعان اور اس طرح قبول کرنا ہے کہ اس پر اسمِ تسلیم واقع ہو۔جیسا کہ امام غزالی علیہ الرحمہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت)

''اسی میں ہے:(**بعض القدرية ذهب الى ان الايمان هوالمعرفة واطبق**

علماؤنا علٰی فساده–لان اهل الکتاب کانوا یعرفون نبوة محمد صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کما کانوا یعرفون ابناء هم مع القطع بکفرهم لعدم التصدیق–ولان من الکفار من کان یعرف الحق یقینا وانما کان ینکر عنادًا او استکبارًا–قال اللّٰه تعالٰی:(وجحدوا بها واستیقنتها انفسهم)

(بعض قدریہ اس طرف گئے ہیں کہ ایمان فقط معرفت کو کہتے ہیں اور ہمارے علما کا اس قول کے فساد پر اجماع ہے، کیوں کہ اہل کتاب محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے، اس معرفت کے باوجود ان کا کفر قطعی ہے، کیوں کہ وہاں تصدیق نہیں پائی گی اور اس لیے بھی کہ بعض کافر یقینی طور پر حق کو پہچانتے تھے اور محض عناد و تکبر کی وجہ سے انکار کرتے تھے، اللہ تعالٰی نے فرمایا:

(حالاں کہ ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا۔ت)

محقق دوانی شرح عقائد عضدی میں فرماتے ہیں:

(التلفظ بکلمتی الشهادتین مع القدرة علیه شرط فمن اخل به فهو کافر مخلد فی النار ولا تنفعه المعرفة القلبیة من غیر اذعان وقبول فان من الکفار من کان یعرف الحق یقینا–وکان انکاره عنادًا واستکبارًا کما قال اللّٰه تعالٰی:(جحدوا بها واستیقنتها انفسهم ظلما وعلوا) (شہادت (توحید ورسالت کی شہادت) کے دو کلموں کے ساتھ تلفظ کرنا جب کہ اس پر قادر ہو، ایمان کی شرط ہے تو جس نے اس میں کوتاہی کی تو وہ کافر ہے اور دائمی طور پر جہنم میں رہنے والا ہے اور اذعان وقبول کے بغیر معرفتِ قلبی اس کو نفع نہیں دے گی، کیوں کہ بعض کافر ایسے ہیں جو یقینی طور پر حق کو پہچانتے تھے۔ان کا انکار عناد و تکبر کی وجہ سے تھا۔جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:(اور ان کے منکر ہوئے، حالاں کہ ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا ظلم اور تکبر کی وجہ سے۔ت)

آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ صحیحہ متوافرہ متظافرہ سے ابوطالب کا کفر پر مرنا اور دم واپسیں

ایمان لانے سے انکار کرنا اور عاقبت کار اصحاب نار سے ہونا ایسے روشن ثبوت سے ثابت جس سے کسی سنی کو مجالِ دم زدن نہیں''۔

(شرح المطالب:ص660-661-فتاویٰ رضویہ:جلد29-جامعہ نظامیہ لاہور)

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا:''صرف معرفت گوکیسی ہی کمال کے ساتھ ہو،ایمان نہیں۔دانستن وشناختن اور چیز ہے اور اذعان وگرویدن اور۔کم کافر تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے پیغمبر ہونے کا یقین نہ تھا:(**جحدوا بها واستیقنتها انفسهم**)(اوران کے منکر ہوئے اوران کے دلوں میں ان کا یقین تھا۔ت)

اہل کتاب تو عموماً جزم کلی رکھتے تھے،حتی کہ یہ امران کے نزدیک کالعیان سے بھی زائد تھا۔معاینہ میں بصر غلطی بھی کرتی ہے اور یہاں کسی طرح کا شبہ واحتمال نہ تھا۔

قال جل وعلا:(اللہ جل وعلا نے فرمایا)(**یعرفون کما یعرفون ابنائهم**)

(وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔ت)

وقال عز من قائل:(فلما جاء هم ما عرفوا کفروا به فلعنة اللّٰه علی الکفرین) (توجب تشریف لایاان کے پاس وہ جانا پہچانا اس کے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔ت)

وقال جل ذکره:(یجدونه مکتوبًا عندهم فی التورٰة والانجیل)

(لکھاہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ت)

(شرح المطالب:ص658-659-فتاویٰ رضویہ:جلد29-جامعہ نظامیہ لاہور)

محض معرفت کو ایمان قرار دینا روافض اور بعض قدریہ وجہمیہ کا مذہب ہے۔علامہ برزنجی نے روافض وقدریہ وجہمیہ کی طرح معرفت کو ایمان قرار دیتے ہوئے ابوطالب کو باطنی مومن قرار دیا اور حشویہ اور بعض معتزلہ کا مذہب ایمان واسلام میں تفریق کرنا ہے۔علامہ برزنجی نے بھی حشویہ اور معتزلہ کی طرح ایمان واسلام میں تفریق کردی:فیاللعجب

تاریخی روایات اور عذر کا بطلان

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رقم فرمایا:''نبوت کے ساتویں سال میں جب قریش نے دیکھا کہ حضرت حمزہ وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسلام لانے سے دین اسلام کی عزت وقوت بڑھ گئی ہے اور صحابہ حبشہ کی جانب جارہے ہیں اور اسلام قبائل عرب میں پھیلتا جارہا ہے تو ان کے حسد وعداوت کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل وہلاکت میں کمر بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے ،لیکن چوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابو طالب کی حمایت وکفالت میں تھے،اس لیے ان کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دست ستم دراز کریں۔وہ ابو طالب کے پاس آئے۔ان سے کہنے لگے کہ:یا تو آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دیں یا ہم سے جنگ کے لیے آمادہ ہو جائیں یا پھر ان سے کہیں کہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں''۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد ابو طالب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوم آئی تھی اور ایسا کچھ کہہ رہی تھی۔اب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جان کو بخشئے ،کیوں کہ ہم اور آپ ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے چچا! کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ میں آپ کی حمایت کے بھروسہ پر ایسا کر رہا ہوں۔ایسا نہیں ہے، بلکہ میرا حامی میرا رب تعالیٰ ہے اور میں اس کے حکم سے اس وقت تک ایسا کرتا رہوں گا جب تک یہ کام آخر تک نہ پہنچے۔میں اس کام سے نہ ہاتھ روک سکتا ہوں اور نہ اپنے پاؤں پر بیٹھ سکتا ہوں۔اگر آپ میری تقویت فرماسکیں اور میری موافقت کرسکیں تو یہ آپ کی سعادت ونیک بختی ہے،ورنہ نصرت الٰہی اور تائید آسمانی میرے لیے کافی ہے۔ یہ فرما کر ان کی مجلس سے کھڑے ہو گئے۔ابو طالب کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی ان باتوں سے کچھ تقویت و ہمت پیدا ہوئی اور کہنے لگے: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا کام کرتے رہیں۔ رب کعبہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں، آپ کو کوئی پابند نہیں کر سکے گا اور کوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک کو باز نہیں رکھ سکے گا۔

اس ضمن میں ایک شعر کہا جس کا مضمون یہ ہے کہ:

خدا کی قسم! کبھی بھی آپ کی طرف کوئی اپنی قوت کے ساتھ نہ دیکھ سکے گا جب تک کہ میں مٹی میں نہ دفن کر دیا جاؤں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دین کو علی الاعلان پھیلایئے اور کوئی اندیشہ نہ کیجئے اور خوش رہئے اور اس کی وجہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھئے۔

اس کے بعد ابو طالب نے بنی ہاشم کو جمع کیا۔ مطلب کی اولاد نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا۔ تسلی و خاندانی عصبیت کے لحاظ سے سب کے سب، اگر چہ کچھ ان میں سے کافر تھے، جاہلیت کی عادت کے مطابق اپنی گھاٹی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہو گئے، مگر ابولہب داخل نہیں ہوا، اگر چہ وہ بنی ہاشم میں سے تھا۔

تمام قریش نے اپنے درمیان عہد باندھا کہ ہم میں سے کوئی بنی ہاشم اور بنی مطلب سے شادی بیاہ، خرید وفروخت، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، اور گفت وشنید نہ کرے گا اور مکمل مقاطعہ (بائیکاٹ) کریں گے۔ اور وہ اس سرزمین سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ انہوں نے بازار والوں سے یہ عہد لیا کہ کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت نہ کی جائے گی۔ کبھی ایسا تھا کہ حج کے زمانہ میں گرد و نواح سے آنے والے لوگ اگر ان کے ہاتھ کچھ فروخت کرتے تو وہ انہیں بھی روکتے تھے اور وہ سامان خود زیادہ قیمت دے کر خرید لیا کرتے تھے۔

اس بارے میں قریش نے ایک عہد نامہ لکھا اور مہر کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا کہ ان کے ساتھ صلح نہیں ہو سکتی، مگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے قتل پر۔ کہتے ہیں کہ جس ہاتھ نے اس ''عہد نامہ'' کو لکھا تھا، وہ شل ہو گیا تھا۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے: بیت

یار گو دوست شود جملہ جہاں دشمن باش

بخت گو پشت مدہ روئے زمین لشکر گیر

(یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَاللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ)

ترجمہ: کفار چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے پھونکوں سے بجھا دیں، مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا فرمانے والا ہے، چاہے کافر برا مانیں۔ یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال ماہ محرم کی چاند رات کو واقع ہوا۔ تین سال اسی حالت میں گزر گئے اور جب تنگی وعسرت حد سے گزر گئی تو قریش کی وہ جماعت جو بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ قریبی قرابت رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نرمی وشفقت ڈالی کہ اس عہد کو توڑ ڈالیں اور اس ظالم وقاطع عہد نامہ کو پرزے پرزے کردیں۔ قریش کے درمیان نزاع وخصومت واقع ہونے کے بعد انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ اس عہد نامہ کو سامنے لایا جائے۔

ابو طالب نے اس وقت بتایا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیمک کو اس عہد نامہ پر مقرر فرمادیا ہے جو ظلم وجبر اور مقاطعہ (بائیکاٹ) کی عبارت کو چاٹ جائے اور اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے نام کو باقی رکھے۔ اگر ان کی یہ بات جھوٹی نکلے تو ان کے ساتھ جو چاہو، کرنا اور اگر یہ خبر سچی ہو تو یہی کافی ہے کہ اس عہد نامہ کا مضمون ناپید ہوگیا، پھر عہد نامہ کھولا گیا تو ویسا ہی برآمد ہوا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ قریش شرمندہ ہوئے اور اپنے منہ لٹکا دیئے۔ اس کے باوجود ابوجہل اور اس کے پیروکار چیختے چلاتے رہے کہ عہد نامہ نہ توڑا جائے۔

ابو طالب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرم کعبہ میں داخل ہوئے اور دعا کی: (اَللّٰھُمَّ انْصُرْنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا وَقَطَعَ اَرْحَامَنَا وَاسْتَحَلَّ مَا یُحَرَّمُ عَلَیْنَا) یا اللہ! ہماری مدد فرما ان پر جس نے ہم پر ظلم کیا اور ہمارے رشتے کو کاٹا اور جو ہم پر حرام ہے، اس کو حلال کیا۔

پھر ابو طالب اپنی گھاٹی میں لوٹ گئے۔ قریش کی وہ جماعت جو عہد نامہ کو ختم کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی، غالب آگئی اور شعب ابی طالب میں داخل ہوئی اور بنی ہاشم وبنی

مطلب کو باہر نکالا اور ان کو اپنے اپنے گھروں میں ٹھہرایا۔مخالفین کچھ نہ کر سکے۔یہ صورت نبوت کے دسویں سال میں واقع ہوئی۔

(مدارج النبوت:فارسی:جلد دوم:ص64-65-مطبع نول کشور لکھنو)

ابوطالب کے کفر پر ہونے کے باوجود بھی اہل مکہ نے قتل وقتال کی بات کی تھی اور ابوطالب کو مکہ معظّمہ چھوڑ کر شعب ابی طالب میں پناہ لینا پڑا تھا۔ہاں،اعلان نبوت کے بعد سات سال تک کفار مکہ نے صبر کیا،پھر وہ صبر نہ کر سکے،لہٰذا جن روایتوں میں ہے کہ ابوطالب کی وجہ سے قریش خاموش تھے،وہ روایتیں شعب ابی طالب میں پناہ لینے سے قبل کی ہیں،یعنی ایسی روایتوں کا تعلق نبوت کے ابتدائی سات سالوں سے ہے۔

جب اہل قریش نے قتل وقتال کی بات کہی تو ابوطالب اور بنی ہاشم و بنی مطلب مکہ معظّمہ چھوڑ کر گھاٹی میں چلے گئے۔شعب ابی طالب سے خود قریش نے بنی ہاشم و بنی مطلب کو نکال کر لایا تھا اور قریش نے قتل وقتال کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور بنی ہاشم و بنی مطلب کو پناہ دی تھی۔ابوطالب شعب ابی طالب میں ایمان قبول کر سکتے تھے،کیوں کہ وہ مکہ معظّمہ سے جدا ہو چکے تھے اور گھاٹی میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔اگر گھاٹی میں بھی خطرہ تھا تو جس طرح دیگر مومنین ہجرت کر کے حبشہ جا رہے تھے،اسی طرح ابوطالب و دیگر بنی ہاشم و بنی مطلب بھی حبشہ جا سکتے تھے۔الغرض مکہ معظّمہ چھوڑ دینے کے بعد عذر شرعی ثابت نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح جب اہل مکہ نے قتل وقتال کا ارادہ ترک کر دیا اور شعب ابی طالب سے بنی ہاشم کو لا کر مکہ معظّمہ میں رہنے کی اجازت دے دی،اس مدت میں بھی ابوطالب ایمان لا سکتے تھے،کیوں کہ اب کوئی خطرہ نہیں تھا،بلکہ اہل مکہ بنی ہاشم کو امان دے چکے تھے،اسی لیے ابوطالب کی موت کے بعد تین سال تک حضور اقدس سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظّمہ میں قیام پذیر رہے،پھر حالات خراب ہو جانے کے بعد ہجرت کا حکم نازل ہوا۔

نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرما دیا تھا کہ آپ میری فکر

چھوڑ دیں۔اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا۔اس فرمان کے بعد ابوطالب کے پاس کوئی عذر نہیں تھا۔جن کی حفاظت کے لیے وہ ایمان نہ لا رہے تھے، وہ خود فرما رہے ہیں کہ مجھے آپ کی حفاظت کی ضرورت نہیں، بلکہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد پر اعتماد کرتے ہوئے دین اسلام کی تبلیغ کر رہا ہوں، نیز اللہ تعالیٰ رسولوں کے قتل پر کسی قدرت نہیں دیتا ہے۔

الملفوظ سے ایک عرض وارشاد درج ذیل ہے کہ کوئی رسول شہید نہ کیے گئے۔

عرض:اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:(کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ)

تو بعض انبیا شہید کیوں ہوئے؟

ارشاد:رسولوں میں سے کون شہید کیا گیا؟انبیا البتہ شہید کیے گئے۔رسول کوئی شہید نہ ہوا۔(الملفوظ:جلد چہارم:ص27)

الملفوظ کے حاشیہ میں ہے کہ شہید ہوجانا مغلوبی نہیں اور غلبہ سے مراد غلبہ حجت ہے۔

(حاشیہ:الملفوظ:جلد چہارم:ص27)

سائل کا خیال تھا کہ شہادت مغلوب ہونا ہے اور شہید ہونا غالب ہونے کے منافی ہے، جب کہ آیت مقدسہ میں ہے کہ رسولوں کو غلبہ حاصل رہے گا۔اس اعتبار سے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شہادت واقع نہیں ہونی چاہئے۔امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے سائل کے خیال کے مطابق جواب دیا کہ اگر یہی فرض کرلیا جائے کہ شہادت غلبہ کے منافی ہے تو آیت طیبہ میں مرسلین کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہے اور حضرات مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کوئی شہید نہیں ہوئے ،لہٰذا تعارض کی کوئی صورت نہیں ہے۔

موت کے وقت ابوطالب کو کوئی عذر نہیں

علامہ سید محمد برزنجی نے فرمایا کہ ابوطالب نے عذر کی وجہ سے اسلام کا اقرار نہیں کیا۔

بالفرض اگر ابوطالب کو اپنے یا اپنے اقارب کے قتل کا خوف تھا تو وہ کفار مکہ کی قید میں

نہیں تھے، بلکہ وہ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے کسی دوسرے مقام میں جا کر آباد ہو سکتے تھے، جیسا کہ ایک مدت کے لیے شعب ابی طالب میں جا بسے تھے۔مشرکین مکہ کا ظلم بڑھ جانے کے بعد ہجرت کا حکم نازل ہوا، نہ کہ ظاہری طور پر انکار توحید و رسالت کی اجازت دی گئی۔ انکار توحید و رسالت اور کفری کلمات کہنے کی رخصت صرف اکراہ کامل کی صورت میں ہے۔

اگر ابو طالب علی الاعلان توحید و رسالت کا اقرار نہیں کر سکتے تھے تو حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اقرار کر سکتے تھے۔خفیہ اقرار سے کوئی امر مانع نہیں تھا۔

ابو طالب کی موت ہجرت سے تین سال قبل یعنی اعلان نبوت کے دسویں سال میں ہوئی اور اس کی موت کے بعد تین سال تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے، کیوں کہ اہل مکہ امان دے کر شعب ابی طالب سے بنی ہاشم و بنی مطلب کو لا کر ان کے گھروں میں بسائے تھے، لہٰذا امان دینے کے بعد قتل وقتال کا خطرہ نہیں تھا۔ہاں تین سال بعد جب ظلم بڑھ گیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم دیا گیا۔

بعثت کے ساتویں سال سے دسویں سال یعنی تین سال تک بنو ہاشم ایک پہاڑی گھاٹی میں رہے۔اسی گھاٹی کو شعب ابی طالب کہا جاتا ہے۔اگر ابو طالب کو اپنے ایمان کے اظہار سے اپنے قتل کا خوف تھا تو مکہ سے ہجرت کر کے دوسرے مقام پر جا بسنا مشکل نہیں تھا۔الحاصل اکراہ کامل کی صورت موجود نہیں، لہٰذا عدم اقرار کے سبب حکم کفر نافذ ہوگا۔

نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو طالب سے موت کے وقت اقرار ایمان کا مطالبہ کیا تھا۔اب موت کے سبب ان کی سرداری ختم ہونے والی تھی۔اب وہ اپنے بھتیجے کا دفاع بھی نہیں کر سکتے تھے، نیز اہل مکہ بنی ہاشم کو امان بھی دے چکے تھے تو اب اقرار سے مانع کوئی امر نہیں تھا۔عدم اقرار کا سبب خود ابو طالب نے بتایا کہ لوگ مجھ پر طعن کریں گے اور یہ عذر شرعی نہیں ہے، بلکہ فطری حمیت اور ذاتی غیرت ہے۔اس کو عذر شرعی ماننا غلط ہے۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا: ”نسیم الریاض میں ہے:

(حنونه علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ومحبته له امر مشهور فی السیر-وکان یعظمه ویعرف نبوته ولکن لم یوفقه اللّٰہ للاسلام-وفی الامتناع:ان فیه حکمة خفیة من اللّٰہ تعالیٰ لانه عظیم قریش لا یمکن احدًا منهم ان یتعدی علیٰ ما فی جواره فکان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فی بدء امره فی کنف حمایته یذبهم عنه کما قال:

واللّٰہ لن یصلوا الیک بجمعهم

حتی اوسد فی التراب دفینا

فلواسلم لم یکن له ذمة عندهم ولذا لم یکن له صلی اللّٰہ علیه وسلم بعد موته بد من الهجرة)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ابوطالب کی مہر ومحبت مشہور ہے اور تعظیم ومعرفت نبوت معلوم، مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمان ہونے کی توفیق نہ دی اور کتاب الامتناع میں فرمایا: ابوطالب کے مسلمان نہ ہونے میں اللہ تعالیٰ کی ایک باریک حکمت ہے۔وہ سردارِ قریش تھے۔کوئی ان کی پناہ پر تعدی نہ کرسکتا تھا۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں ان کی حمایت میں تھے۔وہ مخالفوں کو حضور سے دفع کرتے تھے۔خود ایک شعر میں کہا ہے: خدا کی قسم تمام قریش اکٹھے ہوجائیں تو حضور تک نہ پہنچ سکیں گے، جب تک میں خاک میں دبا کر لٹا نہ دیا جاؤں تو اگر وہ اسلام لے آتے ،قریش کے نزدیک ان کی پناہ کوئی چیز نہ رہتی۔آخر ان کے انتقال پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہجرت ہی فرمانی ہوئی۔

اقول: قربِ انتقال تک اسلام نہ لانے کی یہ حکمت ہوسکتی ہے۔مرتے وقت کفر پر اصرار کی حکمت اللہ جانے یا اس کا رسول''۔(شرح المطالب:ص710-711)

امام شہاب الدین خفاجی مصری حنفی (۹۷۷ھ-۱۰۶۹ھ) نے ابوطالب کے عدم ایمان کی ایک حکمت بیان فرمائی اور یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے

بعد ابوطالب قبیلہ قریش کے سردار تھے۔اگر وہ ایمان قبول کر لیتے تو امید تھی کہ بہت سے قریش ایمان قبول کر لیتے۔بہر حال موت کے وقت وہ اسلام قبول کر سکتے تھے،جب کہ حضور اقدس سلطان کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول ایمان کی بات بھی کہی تھی۔اخیر وقت میں ایمان قبول نہ کرنے کا سبب خود ابوطالب نے بتایا کہ قریش اور قریش کی عورتیں طعن کریں گی،پس یہ فطری غیرت کے سبب ایمان کو قبول نہ کرنا ہے،نہ کہ عذر شرعی کے سبب۔

عدم قبول ایمان کا سبب فطری غیرت

(1)امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا:''صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن نسائی میں ہے:(واللفظ لمحمد–قال حدثنا محمود فذکر بسندہ عن سعید بن المسیب عن ابیہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما:ان اباطالب لما حضرتہ الوفاۃ دخل علیھا النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وعندہ ابو جھل فقال:ای عم! قل لا الٰہ الا اللّٰہ کلمۃ احاج لک بھا عند اللّٰہ–فقال ابو جھل وعبداللّٰہ بن امیّۃ:یا اباطالب! ا ترغب عن ملّۃ عبد المطلب؟فلم یزالا یکلمانہ حتی قال اٰخر شیء کلمھم بہ(علٰی ملۃ عبدالمطلب) (زاد البخاری فی الجنائز و تفسیر سورۃ القصص کمثل مسلم فی الایمان)وابٰی ان یقول لا الٰہ الا اللّٰہ) فقال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: لاستغفرن لک ما لم انہ عنہ– فنزلت:(ماکان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولوکانوا اولی قربٰی من بعد ما تبین لھم انھم اصحب الجحیم)ونزلت:(انک لا تھدی من احببت)

(اور لفظ محمد کے ہیں،انہوں نے کہا:ہم کو حدیث بیان کی محمود نے،پھر اپنی سند کے ساتھ سعید بن مسیّب سے اور انہوں نے اپنے باپ سے ذکر کیا(رضی اللہ تعالیٰ عنہما)کہ ابو طالب جب قریب الموت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف

لائے جب کہ ابوجہل اور عبداللہ بن امیّہ وہاں موجود تھے۔آپ نے فرمایا: اے چچا! کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ) پڑھ لو، میں اس کے ذریعے تمہارے لیے جھگڑا کروں گا۔ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا عبدالمطلب کے دین سے اعراض کرلو گے؟ وہ دونوں مسلسل ابوطالب سے یہی بات کہتے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب نے جو آخری بات انہیں کہی ،وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں۔(امام بخاری نے جنائز اور سورہ قصص کی تفسیر میں یہ اضافہ کیا جیسا کہ امام مسلم نے کتاب الایمان میں کیا ہے کہ) ابوطالب نے (لا الٰہ الا اللہ) کہنے سے انکار کردیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک مجھے منع نہ کردیا گیا، میں تیرے لیے ضرور استغفار کروں گا۔چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: (روانہیں نبی اور ایمان والوں کو کہ استغفار کریں مشرکوں کے لیے ،اگرچہ وہ اپنے قرابت والے ہوں، بعد اس کے کہ ان پر ظاہر ہو چکا کہ وہ بھڑکتی آگ میں جائیں گے) اور یہ آیت نازل ہوئی: (اے نبی! تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو۔ت)

اس حدیث جلیل سے واضح کہ ابوطالب نے وقتِ مرگ کلمہ طیبہ سے صاف انکار کردیا اور ابوجہل لعین کے اغوا سے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد قبول نہ کیا۔

حضور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر بھی وعدہ فرمایا کہ جب تک اللہ عزوجل مجھے منع نہ فرمائے گا ، میں تیرے لیے استغفار کروں گا۔مولیٰ سبحنہ وتعالیٰ نے یہ دونوں آیتیں اتاریں اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابوطالب کے لیے استغفار سے منع کیا اور صاف ارشاد فرمایا کہ مشرکوں دوزخیوں کے لیے استغفار جائز نہیں"۔

(شرح المطالب:665-666-فتاویٰ رضویہ: جلد29-جامعہ نظامیہ لاہور)

منقولہ بالا حدیث سے واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایمان کا مطالبہ ابوطالب کی موت کے وقت کیا تھا۔اس وقت اگر کوئی عذر شرعی ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایمان کا مطالبہ ہی نہ فرماتے۔اقرار کا مطالبہ بہت واضح دلیل ہے کہ

اس وقت کوئی عذر شرعی نہیں تھا۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطالبہ عدم عذر کو بتاتا ہے اور علامہ برزنجی کا قول عذر کو بتاتا ہے۔کیا یہ تعارض نہیں۔ہاں، یقیناً یہ تعارض نہیں۔نبی اور امتی کے قول میں تعارض نہیں ہوتا ہے، بلکہ ایسی صورت میں امتی کا قول غلط قرار پاتا ہے۔

(2)امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے آیت مقدسہ: (اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ) سے متعلق رقم کیا: صحیح حدیث میں اس آیہ کریمہ کا سبب نزول یوں مذکور کہ جب حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو طالب سے مرتے وقت کلمہ پڑھنے کو ارشاد فرمایا، صاف انکار کیا اور کہا مجھے قریش عیب لگائیں گے کہ موت کی سختی سے گھبرا کر مسلمان ہو گیا، ورنہ حضور کی خوشی کر دیتا۔اس پر رب العزت تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت کریمہ اتاری، یعنی اے حبیب تم اس کا غم نہ کرو، تم اپنا منصب تبلیغ ادا کر چکے۔ہدایت دینا اور دل میں نور ایمان پیدا کرنا یہ تمھارا فعل نہیں، اللہ عزوجل کے اختیار میں ہے اور اسے خوب معلوم ہے کہ کسے یہ دولت دے گا، کسے محروم رکھے گا۔

صحیح مسلم شریف کتاب الایمان وجامع ترمذی کتاب التفسیر میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: (**قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم لعمہ (زاد مسلم فی اخری: عند الموت) قل (لا الٰہ الا اللّٰہ) اشھد لک بھا یوم القیٰمۃ–قال لولا ان تعیرنی قریش یقولون انما حملہ علٰی ذلک الجزع لاقررت بھا عینک–فانزل اللّٰہ عزوجل: (انک لا تھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء)** (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا: (مسلم نے دوسری روایت میں یہ اضافہ کیا کہ بوقت موت فرمایا) لا الہ الا اللہ کہہ دو، میں تیرے لیے قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا۔اس نے جواب دیا: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قریش مجھے عار دلائیں گے کہ موت کی شدت کے باعث مسلمان ہو گیا تو میں آپ کی آنکھ ٹھنڈی کر دیتا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: اے نبی! تم

ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو، ہاں خدا ہدایت دیتا ہے جسے چاہے۔ت)

(شرح المطالب:ص662-663-فتاویٰ رضویہ: جلد29-جامعہ نظامیہ لاہور)

خود ابوطالب نے عدم قبول اسلام کا سبب فطری غیرت وحمیت بتائی ،لیکن علامہ برزنجی نے عدم قبول ایمان کا سبب شرعی عذر بتا دیا۔جس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول ایمان کا مطالبہ کیا تھا،وہ ابوطالب کی موت کا وقت تھا۔اس وقت کوئی شرعی عذر نہیں تھا۔حق وہی مسلک ہے،جس پر اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے۔تفردات کوقبول نہ کیا جائے۔نہ ہی تفردات کوقبول کرنے کی اجازت ہے،نیز یہ تفرد نہیں، بلکہ لغزش ہے۔

(3)امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا:’’اصابہ میں فرماتے ہیں:

(اما شهادة ابی طالب بتصديق النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه سلم-فالجواب عنه وعما ورد من شعر ابی طالب فی ذلک انه نظير ما حكی اللّٰه تعالٰی عن كفار قريش:(وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلمًا وعلوا) فكان كفرهم عنادًا ومنشؤه من الانفة والكبر والٰی ذلک اشار ابوطالب بقوله:(لولا ان تعيرنی قريش) یعنی ابوطالب کے ان اشعار وغیرہا(جن میں تصدیق نبی کی شہادت ہے) کا جواب یہ ہے کہ وہ اسی قبیل سے ہے جوقرآن عظیم نے کفار کا حال بیان فرمایا کہ براہ ظلم وتکبر منکر ہوتے اوردل میں خوب یقین رکھتے ہیں تو یہ کفر عناد ہوا اوراس کا منشاء تکبر اوراپنے نزدیک بڑی ناک والا ہونا ہے۔خود ابوطالب نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ اگر قریش کی طعنہ زنی کا خیال نہ ہوتا تو اسلام لے آتا‘‘۔

(شرح المطالب:ص712-فتاویٰ رضویہ: جلد29-جامعہ نظامیہ لاہور)

(4)امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے ابوطالب کی وصیت سے متعلق رقم فرمایا:

’’ثانیاً:خود اُسی وصیت نامہ میں وہ لفظ منقول جن میں صاف اپنے حال کی طرف اشارہ ہے کہ اُن حاضرین سے کہا:**(قد جاء بامر قبله الجنان وانكره اللسان مخافة**

الشــانٰ) محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے پاس وہ بات لے کر آئے جسے دل نے مانا اور زبان نے انکار کیا اس خوف سے کہ لوگ دشمن ہوجائیں گے۔

علامہ زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: **(لما تعیرونه به من تبعیته لابن اخیه)** یعنی وہ خوف یہ ہے کہ تم عیب لگاؤ گے کہ وہ اپنے بھتیجے کا تابع ہوگیا۔

یعنی بھتیجا تو بیٹے کی مثل ہے۔ انہیں امام بناتے، آپ غلام بنتے عار آتی ہے۔ تم طعنہ کرو گے، اس لیے اسلام سے انکار ہے، اگرچہ دل پر اُن کا صدق آشکار ہے۔

ثالثاً: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باب میں اُن سے بعض وصایا ضرور منقول، مگر جب اوروں کو وصیت ہو، خود جاہلی حمیت ہو تو اس سے کیا حصول۔ قال اللہ تعالٰی: **(کبر مقتا عند اللّٰه ان تقولوا ما لا تفعلون)** اللہ کو سخت دشمن ہے یہ بات کہ کہو اور نہ کرو۔

تندرستی میں بھی یہی برتاؤ تھا کہ اوروں کو ترغیب دینا اور آپ بچنا، وہی انداز وقت مرگ برتا۔ اصابہ میں فرمایا: **(وهو امر ابی طالب ولدیه باتباعه فترکه ذلک هو من جملة العناد وهو ایضًا من حسن نصرته له وذبه عنه ومعاداته قومه بسببه)** رہا یہ کہ ابو طالب کا اپنے بیٹوں حیدر کرار و جعفر طیار رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہنا کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیروی کرو تو خود اس کا ترک کرنا یہ عناد میں سے ہے اور یہ ترغیب پیروی بھی اُن کی اُسی خوبی مدد و حمایت اور حضور کے باعث اپنی قوم سے مخالفت ہی میں داخل ہے۔

یعنی جہاں وہ سب کچھ تھا، این ہم بر علم ایمان بے اذعان ملنا کیا امکان، ولہٰذا علمائے کرام جہاں ابو طالب سے یہ امور نقل فرماتے ہیں، وہیں موت علی الکفر کی بھی تصریح کر جاتے ہیں۔ اسی مواہب اللدنیہ اور اُن کی دوسری کتاب ارشاد الساری کے کتنے کلمات اوپر گزرے۔

مجمع البحار میں ہے: **(فی العاشرة دنا موت ابی طالب فوصی بنی المطلب باعانته صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ومات—فقال علی رضی اللّٰه تعالٰی عنه ان عمک الضال قد مات—قال: فاغسله وکفنه وواره—غفر اللّٰه**

لہ–فجعل یستغفر لہ ایامًا حتی نزل:(ماکان للنّبی)

یعنی نبوت سے دسویں سال ابو طالب کو موت آئی۔ بنی عبدالمطلب کو مددگاری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وصیت کر کے مر گئے۔اس پر مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کی:حضور کا چچا مر گیا۔فرمایا: نہلا کفنا کر دبا دے،اللہ اُسے بخشے۔دعائے مغفرت فرماتے رہے،یہاں تک کہ آیت اتری:(نبی کو روا نہیں کہ مشرکوں جہنمیوں کی بخشش مانگے)

علامہ حفنی حاشیہ شرح ہمزیہ میں لکھتے ہیں:(**قال القرطبی فی المفھم:کان ابو طالب یعرف صدق رسول اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فی کل ما یقولہ–و یقول لقریش:تعلمون واللّٰہ ان محمدًا لم یکذب قط–ویقول لا بنہ علی اتبعہ فانہ علی الحق غیرانہ لم یدخل فی الاسلام ولم یزل علٰی ذلک حتی حضوتہ الوفاۃ فدخل علیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم طامعًا فی اسلامہ حریصًا علیہ باذلًا فی ذلک جھدہ مستفرغا ما عندہ–ولکن عاقت عن ذلک عوائق الاقدار التی لا ینفع معھا حرص ولا اعتذار**)

یعنی امام قرطبی نے مفہم شرح صحیح مسلم میں فرمایا:ابو طالب خوب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں،سب حق ہے۔قریش سے کہتے:خدا کی قسم!تمہیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی کوئی کلمہ خلافِ واقع نہ فرمایا۔اپنے بیٹے علی کرم اللہ وجہہ سے کہتے:ان کے پیرو رہنا کہ یہ حق پر ہیں۔یہ سب کچھ تھا،مگر خود اسلام میں نہ آئے۔موت آنے تک اسی حال پر رہے۔اس وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف فرما ہوئے،اس امید پر کہ شاید مسلمان ہو جائیں،اس کی حضور کو سخت خواہش تھی۔جو کچھ کوشش ممکن تھی،سب خرچ فرمادی،مگر وہ تقدیریں آڑے آئیں جن کے آگے نہ خواہش چلتی ہے نہ عذر‘‘۔(شرح المطالب:ص715-718-فتاویٰ رضویہ:جلد29)

(5)امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے روایت ابن اسحاق سے متعلق رقم فرمایا:

''ابن اسحٰق نے سیرۃ میں ایک روایت شاذہ ذکر کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوطالب کے مرض الموت میں اشرافِ قریش جمع ہوکر ان کے پاس گئے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سمجھا دو کہ ہمارے دین سے غرض نہ رکھیں۔ہم ان کے دین سے تعرض نہ کریں۔ابوطالب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلا کر عرض کی۔حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں یہ ایک بات کہہ لیں جس سے تم تمام عرب کے مالک ہوجاؤ اور عجم تمہاری مطیع۔

ابوجہل لعین نے عرض کی: حضور ہی کے باپ کی قسم! ایک بات نہیں، دس باتیں۔

فرمایا: تو (لا الٰہ الا اللہ) کہہ لو۔اس پر کافر تالیاں بجا کر بھاگ گئے۔ابوطالب کے منہ سے نکلا، خدا کی قسم! حضور نے کوئی بے جا بات تو ان سے نہ چاہی تھی۔اس کہنے سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُمید پڑی کہ شاید یہی مسلمان ہوجائے۔حضور نے بار بار فرمانا شروع کیا: اے چچا! تو ہی کہہ لے جس کے سبب سے میں تیری شفاعت روزِ قیامت حلال کرلوں۔جب ابوطالب نے حضور کی شدتِ خواہش دیکھی تو کہا: اے بھتیجے! میرے خدا کی قسم! اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ حضور کو اور حضور کے باپ (یعنی خود ابوطالب) کے بیٹوں کو طعنہ دیں گے کہ نزع کی سختی پر صبر نہ ہوا، کلمہ پڑھ لیا تو میں پڑھ لیتا اور وہ بھی اس طرح پڑھتا:

(**لا اقولها الا لاسرک بها**) (میں نہ کہتا وہ کلمہ، مگر اس لیے کہ آپ کو خوش کروں) صرف اس لیے کہ حضور کی خوشی کردوں۔یہ باتیں نزع میں تو ہو ہی رہی تھیں، جب روح پرواز کرنے کا وقت نزدیک آیا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے لبوں کی جنبش دیکھی، کان لگا کر سنا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی: (**یا ابن اخی! واللّٰہ لقد قال اخی الکلمة التی امرته ان یقولها**) اے میرے بھتیجے! خدا کی قسم میرے بھائی نے وہ بات کہہ لی جو حضور اقدس اس سے کہلواتے تھے: (**قال فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم اسمع**) سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے نہ سُنی''۔(شرح مطالب: 718-719-فتاویٰ رضویہ: جلد 29-جامعہ نظامیہ لاہور)

(6)امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان نے رقم فرمایا:''حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے قریب مرگ ہی جلوہ افروز ہوئے ہیں۔اسی حالت میں کفارِ قریش سے وہ محاورات ہوئے۔سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بار بار باصرار دعوتِ اسلام فرمائی۔کفار نے ملتِ کفر پر قائم رہنے میں جان لڑائی۔آخر پچھلا جواب وہ دیا کہ ابو طالب ملتِ جاہلیت پر جاتا ہے، یہاں تک بات چیت کی طاقت تھی۔اب سینے پر دم آیا، پردے اُٹھے، غیب سامنے آیا،اُس نار نے جس پر عار کو اختیار کیا تھا،اپنی مہیب صورت سے منہ دکھایا:

(لیس الخبر کالمعاینة) (خبر مشاہدہ کی مثل نہیں۔ت)

اب کھلا کہ یہ بلا جھیلنے کی نہیں۔ڈوبتا ہوا سوار پکڑتا ہے۔اب (لا الٰہ الا اللہ) کی قدر آئی۔کہنا چاہا، طاقت نہ پائی، آہستہ لبوں کو جنبش ہوئی،مگر بے سود کہ وقت نکل چکا تھا''۔

(شرح المطالب:736-فتاویٰ رضویہ: جلد29-جامعہ نظامیہ لاہور)

(7)امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا:''**(وکفر العناد ان یعرف اللّٰہ بقلبه ویعترف بلسانه ولا یدین به ککفر ابی طالب حیث یقول:**

ولقدعلمت بان دین محمد

من خیر ادیان البریة دینا

لولا الملامة اوحذار مسبة

لوجدتنی سمحابذاک مبینا

یعنی کفر عناد یہ کہ اللہ تعالیٰ کو دل سے بھی جانے اور زبان سے بھی کہے،مگر تسلیم وگرویدگی سے باز رہے جیسے ابو طالب کا کفر کہ یہ شعر کہے:

واللہ! میں جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین تمام جہان کے دین سے بہتر ہے۔اگر ملامت یا طعنے سے بچنا نہ ہوتا تو تُو مجھے دیکھتا کہ میں کیسی اہل دلی کے ساتھ صاف صاف اس دین کو قبول کر لیتا''۔(شرح المطالب:ص694-فتاویٰ رضویہ: جلد29)

(8) امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا: ''امام شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس قرافی نے شرح التنقیح، پھر امام قسطلانی نے مواہب میں کفار کی ایک قسم یوں بیان فرمائی: (**مـن اٰمن بظاهره وباطنه وكفر بعدم الاذعان للفروع كما حكى عن ابى طالب انه كان يقول: انى لاعلم ان ما يقوله ابن اخى لحق ولو لا انى اخاف ان تعيرنى نساء قريش لاتبعته —وفى شعره يقول:**

لقد علموا ان ابننا لا مكذب

يقيناً ولا يعزى لقول الا باطل

فهذا تصريح باللسان واعتقاد بالجنان غيرانه لم يذعن)

یعنی ایک کافر وہ ہے جو قلب سے عارف، زبان سے معترف ہو، مگر اذعان نہ لائے جیسے ابوطالب سے مروی کہ بے شک میں یقیناً جانتا ہوں کہ جو کچھ میرے بھتیجے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) فرماتے ہیں، ضرور حق ہے۔ اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں مجھے عیب لگائیں گی تو ضرور میں اُن کا تابع ہو جاتا اور اپنے ایک شعر میں کہا:

خدا کی قسم کافران قریش خوب جانتے ہیں کہ ہمارے بیٹے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یقیناً سچے ہیں اور معاذ اللہ کوئی کلمہ خلاف حق کہنا ان کی طرف نسبت نہیں کیا جاتا۔

تو یہ زبان سے تصریح اور دل سے اعتقاد سب کچھ ہے، مگر اذعان نہ ہوا''۔

امام ابن اثیر جزری نہایہ، پھر علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں: (**كـفـر عـنـاد هو ان يعرفه بقلبه ويعترف بلسانه ولا يدين به كابى طالب)** کفر عنادیہ ہے کہ دل سے پہچانے اور زبان سے اقرار کرے، مگر تسلیم وانقیاد سے باز رہے جیسے ابوطالب۔

(شرح المطالب: ص 695 - فتاویٰ رضویہ: جلد 29 - جامعہ نظامیہ لاہو)

منقولہ بالا اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ اخیر وقت میں ابوطالب کے ایمان قبول نہ کرنے کا سبب کوئی عذر شرعی نہیں، بلکہ غیرت وحمیت تھی کہ لوگ برا بھلا کہیں گے۔ جان بجھ

کر ایک عذر شرعی گڑھ لینا اور کافر کو مومن قرار دینا کسی مومن کا شیوہ نہیں۔خود ابوطالب کے فرزند ارجمند شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوطالب کو مومن نہیں مانتے ،لیکن گیارہ صدیوں بعد علامہ برزنجی ابوطالب کو باطنی مومن اور کامل نجات والا بتانے لگے۔

(9) امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا:''علما کا جا بجا کفرِ ابی طالب پر اجماع نقل فرمانا اور اسلامِ ابی طالب کا قول مزعوم روافض بتانا جس کے نقول اگلے فصول میں مذکور ومنقول،اس حکایت بے سروپا کے ردکو بس ہے۔کیا باوصف خلاف ائمہ اہل بیت اجماع منعقد ہوسکتا،یا معاذ اللہ ان کا خلاف لایعتد بہ ٹھہرا کر دعویٰ اتفاق فرمادیا جاتا اور جب خود اپنے ائمہ کرام میں خلاف حاصل تو جانب اجانب اعنی روافض قصر نسبت پر کیا حامل،پس عند التحقیق یہ حکایت بے اصل اور محکی عنہ معدوم و باطل۔ہاں اگر سادات زیدیہ کہ ایک فرقہ روافض ہے،مراد ہوں تو عجب نہیں اور شبہہ زائل''۔

(شرح المطالب:ص712-713-فتاویٰ رضویہ:جلد29-لاہور)

منقولہ بالا اقتباس میں ہے:''کیا باوصف خلاف ائمہ اہل بیت اجماع منعقد ہوسکتا، یا معاذ اللہ ان کا خلاف لایعتد بہ ٹھہرا کر دعویٰ اتفاق فرمادیا جاتا اور جب خود اپنے ائمہ کرام میں خلاف حاصل تو جانب اجانب اعنی روافض قصر نسبت پر کیا حامل''۔

یعنی حضرات ائمہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اہل سنت وجماعت کا حصہ ہیں۔اگر ائمہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ایمان ابوطالب کے قائل ہوتے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ ابوطالب کے کفر پر اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے۔ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ حضرات ائمہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اختلاف سے چشم پوشی کرتے ہوئے کفر ابوطالب پر اہل سنت وجماعت کے اجماع کا دعویٰ کردیا جائے،حالاں کہ کفر ابوطالب پر اہل سنت کا اجماع بتایا جاتا ہے اور صرف روافض کی جانب ایمان ابوطالب کی نسبت کی جاتی ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ العظیم

باب ششم

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ واصحابہ اجمعین

جبر واکراہ سے کیا مراد ہے؟

جس مسلمان کو کفریہ کلمہ کہنے پر مجبور کیا گیا، یا کفار کی مذہبی عبادت پر مجبور کیا گیا، اس نے جبر واکرہ کے سبب محض زبان سے کلمہ کفر کہا، یا جبر واکراہ کے سبب کفار کی عبادت کو انجام دیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا تو یہ کافر نہیں۔ ابوطالب کو کفار قریش نے مجبور نہیں کیا تھا کہ وہ کفر پر قائم رہیں۔ ابوطالب کے سگے بھائی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ معظّمہ میں اعلان نبوت کے چھ برس بعد اسلام قبول کرلیا تھا اور مکہ معظّمہ کے بہت سے افراد بھی اسلام قبول کر چکے تھے۔ جب کفار قریش نے قتل وقتال کی بات کی، تب ابوطالب بنی ہاشم وبنی مطلب کے ساتھ شعب ابی طالب میں چلے گئے۔ اسی طرح قبول اسلام کے بعد خطرہ ہوتا تو وہ دیگر علاقوں کی طرف ہجرت کر جاتے جیسا کہ بہت سے مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ الغرض ابوطالب کے حق میں اکراہ کی صورت مفقود ہے، لہٰذا وہ معذور نہیں۔ جبر واکراہ کی تشریح مندرجہ ذیل ہے۔

(1) صدرالشریعہ قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا: ''اکراہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تام، اور اس کو ملجی بھی کہتے ہیں۔ دوسری ناقص، اس کو غیر ملجی بھی کہتے ہیں۔ اکراہ تام یہ ہے کہ مار ڈالنے یا عضو کاٹنے یا ضرب شدید کی دھمکی دی جائے۔ ضرب شدید کا مطلب یہ ہے کہ جس سے جان یا عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً کسی سے کہتا ہے کہ یہ کام کر، ورنہ تجھے مارتے مارتے بے کار کردوں گا۔ اکراہ ناقص یہ ہے کہ جس میں اس سے کم کی دھمکی ہو، مثلاً پانچ جوتے ماروں گا، یا پانچ کوڑے ماروں گا، یا مکان میں بند کردوں گا، یا ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دوں گا''۔ (بہار شریعت: حصہ پانزدہم: ص189 - مکتبۃ المدینہ: کراچی)

ایمان وکفر کے معاملہ میں صرف اکراہ تام معتبر ہے۔ دیگر معاملات کے احکام میں کچھ فرق ہے۔ اکراہ کے مسئلہ میں تمام امور کا حکم یکساں نہیں ۔اسی طرح اکراہ کے سبب بعض امور کو انجام دینے کی رخصت ہے اور بعض امور کو انجام دینا فرض ہے۔ فقہی کتابوں میں اکراہ کے مسائل کی تفصیل مرقوم ہے۔ بعض ضروری تفصیل اس باب میں مرقوم ہے۔

(2)''مجبوری اور اکراہ کی صورت میں حکم کفر نہیں ۔مجبوری کے یہ معنی ہیں کہ جان جانے یا عضو کٹنے یا ضرب شدید کا صحیح اندیشہ ہو۔اس صورت میں صرف زبان سے اس کلمہ کے کہنے کی اجازت ہے، بشرطے کہ دل میں وہی اطمینان ایمانی ہو''۔

(بہار شریعت: حصہ 9:ص456-مکتبۃ المدینہ کراچی)

مجبور مسلمان نے محض جبر واکراہ کے سبب کفریہ کلام کہا ، یا کفار کے معبودوں کی عبادت کی ،لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا تو وہ کافر نہیں ۔نہ حکم ظاہر میں کافر ہے، نہ عند اللہ کافر ہے۔اکراہ سے اکراہ تام مراد ہے کہ جان جانے ،عضو تلف ہونے یا ضرب شدید کا خوف ہو۔اکراہ ناقص کے سبب کفریہ کلام کہا تو حکم دنیا میں کافر ہے، عند اللہ مومن ہے۔

(3)''معاذ اللہ کفر کرنے پر اکراہ ہوا، اور قتل یا قطع عضو کی دھمکی دی گئی تو اس شخص کو صرف ظاہری طور پر اس کفر کے کر لینے کی رخصت ہے اور دل میں وہی یقین ایمانی قائم رکھنا لازم ہے جو پہلے تھا اور اس شخص کو چاہئے کہ اپنے قول وفعل میں توریہ کرے، یعنی اگر چہ اس فعل یا قول کا ظاہر کفر ہے، مگر اس کی نیت ایسی ہو کہ کفر نہ رہے، مثلاً اس کو مجبور کیا گیا کہ بت کو سجدہ کرے اور اس نے سجدہ کیا تو یہ نیت کرے کہ خدا کو سجدہ کرتا ہوں، یا سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں گستاخی کرنے پر مجبور کیا گیا تو کسی دوسرے شخص کی نیت کرے، جس کا نام محمد ہو، اور اگر اس شخص کے دل میں توریہ کا خیال آیا، مگر توریہ نہ کیا یعنی خدا کے لیے سجدہ کی نیت نہیں کی تو یہ شخص کافر ہو جائے گا، اور اس کی عورت نکاح سے خارج ہو جائے گی، اور اگر اس شخص کو توریہ کا دھیان ہی نہیں آیا کہ توریہ کرتا اور بت کو سجدہ کیا، مگر دل

سے اس کا منکر ہے تو اس صورت میں کافر نہیں ہوگا''۔(درمختار، ردالمحتار)

(بہار شریعت: حصہ پانزدہم:ص192-مکتبۃ المدینہ کراچی)

اکراہ تام کی صورت میں کفریہ کلام کہنے کی رخصت

(1) فقیہ ابن قدامہ حنبلی (م۶۲۰ھ) نے رقم فرمایا:(وَمَنْ اُکْرِہَ عَلٰی الْکُفْرِ فَاَتٰی بکلمۃ الکفر لم یَصِرْ کَافِرًا-وبھذا قال مالک وابو حنیفۃ والشافعی)

(المغنی مع الشرح الکبیر: جلد دہم:ص105)

ترجمہ: جس کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے کفریہ کلام کہا تو وہ کافر نہیں۔حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایسا ہی فرمایا۔

(2) علامہ ابن عابدین شامی نے رقم فرمایا:(ثم قال فی البحر :والحاصل ان من تَکَلَّمَ الْکُفْرَ هَازِلًا اَوْ لَاعِبًا کَفَرَ عِنْدَ الْکُلِّ-وَلَا اِعْتِبَارَ بِاِعْتِقَادِہ کَمَا صَرَّحَ به فی الخانیۃ-وَمَنْ تَکَلَّمَ بِهَا مُخْطِئًا اَوْ مُکْرَهًا،لَا یَکْفُرُ عِنْدَ الْکُلِّ-وَمَنْ تَکَلَّمَ بِهَا عَامِدًا عالمًا کَفَرَ عِنْدَ الْکُلِّ-وَمَنْ تَکَلَّمَ بِهَا اِخْتِیَارًا جاهلًا بِاَنَّهَا کُفْرٌ-ففیه اختلافٌ)(ردالمحتار: جلد چہارم:ص408-مکتبہ شاملہ)

ترجمہ: پھر بحرالرائق میں فرمایا: حاصل کلام یہ کہ جس نے ہزل واستہزا یا لہو ولعب کے طور پر کلمہ کفر کہا، وہ سب کے یہاں کافر ہے، اور اس کے اعتقاد کا اعتبار نہیں جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں اس کی صراحت فرمائی، اور جس نے غلطی سے یا جبر واکراہ کے سبب کلمہ کفر کہا ، وہ کسی کے یہاں کافر نہیں اور جس نے کلمہ کفر کو قصداً جان بوجھ کر کہا، وہ سب کے یہاں کافر ہے اور جس نے کلمہ کفر کو قصداً کہا، اس سے ناواقفی کی حالت میں کہ وہ کلمہ کفر ہے تو اس کے کفر میں اختلاف ہے۔

(وَمَنْ تَکَلَّمَ بِهَا مُخْطِئًا اَوْ مُکْرَهًا،لَا یَکْفُرُ عِنْدَ الْکُلِّ) کامفہوم ہے کہ اگر

غلطی سے زبان سے کفریہ کلمہ نکل جائے، یا اکراہ کامل کے سبب کفریہ کلام کہے تو کفر نہیں۔

بسا اوقات مختلف ممالک میں غیر مسلموں کی طرف سے مسلمانوں کو کفریہ کلمات کہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔صرف اکراہ تام کی صورت میں کفریہ کلمہ کہنے کی رخصت ہے۔اگر توریہ کا خیال آئے تو توریہ پر عمل فرض ہے۔توریہ نہ کرے تو حکم کفر عائد ہوگا۔

اکراہ ناقص کی صورت میں کفریہ کلام کہنے کا حکم

امام علاءالدین کاسانی حنفی (م ۵۸۷ھ) نے رقم فرمایا:(**هذا اذا كان الاكراه على الكفر تاما–فاما اذا كان ناقصا يحكم بكفره–لانه ليس بمكره فى الحقيقة–لانه ما فعله للضرورة،بل لدفع الغم عن نفسه–ولو قال: كان قلبى مطمئنا بالايمان لا يصدق فى الحكم لانه خلاف الظاهر كالطائع اذا جرى الكلمة ثم قال: كان قلبى مطمئنا–ويصدق فيما بينه وبين الله تعالٰى**)

(البدائع والصنائع: جلد ہفتم :ص179-دارالکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: یہ اس وقت ہے جب کفر پر اکراہ تام ہو،لیکن جب اکراہ ناقص ہو تو اس کے کفر کا حکم دیا جائے گا،اس لیے کہ حقیقت میں وہ مکرہ (مجبور) نہیں ہے،اس لیے کہ اس نے یہ(کفریہ کلام کہنا) ضرورت کے سبب نہیں کیا، بلکہ اپنے سے غم کو دور کرنے کے لیے کیا۔

اور اگر وہ کہے کہ میرا دل ایمان پر مطمئن تھا تو حکم ظاہر میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی،کیوں کہ وہ ظاہر حال کے خلاف ہے، جیسے طائع (غیر مکرہ) جب کلمہ کفر جاری ہو، پھر وہ کہے کہ میرا دل (ایمان پر) مطمئن تھا اور بندہ وخدا کے مابین اس کی تصدیق کی جائے گی۔

جو جبر واکراہ شرعاً معتبر ہے، وہ اکراہ تام ہے۔اگر جبر واکراہ تام نہیں تھا،اور وہ محض کسی کے ڈرانے دھمکانے پر کفریہ کلمہ کہا تو اسے حکم ظاہر میں کافر قرار دیا جائے گا۔

(**لانه ما فعله للضرورة،بل لدفع الغم عن نفسه**) کا مفہوم یہ ہے کہ اکراہ

تام نہیں تھا،لیکن ڈراورخوف سے اپنی پریشانی دورکرنے کے لیے کفریہ کلام کہا تو کافر ہے۔

اگروہ کہے کہ میرا دل ایمان پر مطمئن تھا تو اکراہ ناقص کی صورت میں وہ عنداللہ مومن ہوگا۔حکم ظاہر میں اسے کافر سمجھا جائے گا۔اسے توبہ،تجدید ایمان وتجدید نکاح کا حکم ہوگا۔

(کان قلبی مطمئنا-ویصدق فیما بینه وبین اللّٰه تعالیٰ) سے ظاہر ہے کہ اکراہ ناقص کی صورت میں بھی حکم ظاہر میں کافر ہے،لیکن عنداللہ کافر نہیں۔مسلمان اس کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو مرتد کے ساتھ سلوک کا حکم ہے۔بالفرض کبھی ایسا حادثہ کسی کے ساتھ درپیش ہوجائے تو تاویل اور قیل وقال سے کوئی فائدہ نہیں۔توبہ وتجدید ایمان کرنا کون سا محال ہے۔توبہ وتجدید ایمان سے عزت بڑھتی ہے،گھٹتی نہیں۔

واضح رہے کہ موت کے وقت ابوطالب کے پاس نہ کامل عذر تھا اور نہ ناقص عذر، بلکہ انہوں نے فطری حمیت اور ذاتی غیرت کے سبب ایمان قبول نہ کیا کہ لوگ طعنہ دیں گے کہ موت سے گھبرا کر ابوطالب نے ایمان قبول کرلیا۔باب پنجم میں اس کی تفصیل مرقوم ہے۔

اکراہ تام کی صورت میں توریہ کا حکم

امام جصاص رازی حنفی:ابوبکر احمد بن علی (۳۰۵ھ-۳۷۰ھ) نے تحریر فرمایا:

(قوله تعالی:(من کفر باللّٰه من بعد إیمانه إلا من أکره وقلبه مطمئن بالإیمان)-روی معمر عن عبد الکریم عن أبی عبید بن محمد بن عمار بن یاسر:(إلا من أکره وقلبه مطمئن بالإیمان)قال:أخذ المشرکون عمارا وجماعة معه فعذبوهم حتی قاربوهم فی بعض ما أرادوا.

فشکا ذلک إلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم-قال:کیف کان قلبک؟قال:مطمئن بالإیمان-قال:فإن عادوا فعد:

قال أبو بکر:هذا اصل فی جواز إظهار کلمة الکفر فی حال الإکراه

–والإكراه المبيح لذلک هو أن يخاف على نفسه أو بعض أعضائه التلف إن لم يفعل ما أمره به فأبيح له فى هذه الحال أن يظهر كلمة الكفر.

ويعارض بها غيره إذا خطر ذلک بباله فإن لم يفعل ذلک مع خطوره بباله كان كافرا.

قال محمد بن الحسن:إذا أكرهه الكفار علىٰ أن يشتم محمدًا صلى اللّٰه عليه وسلم–فخطر بباله أن يشتم محمدا آخر غيره فلم يفعل وقد شتم النبى صلى اللّٰه عليه وسلم،كان كافرا–وكذلک لو قيل له:لتسجدن لهذا الصليب فخطر بباله أن يجعل السجود للّٰه فلم يفعل وسجد للصليب كان كافرا–فإن أعجلوه عن الروية ولم يخطر بباله شىء وقال ما أكره عليه أو فعل لم يكن كافرا،إذا كان قلبه مطمئنا بالإيمان.

قال أبو بكر:وذلک لأنه إذا خطر بباله ما ذكرنا فقد أمكنه أن يفعل الشتيمة لغير النبى صلى اللّٰه عليه وسلم–إذا لم يكن مكرها على الضمير وإنما كان مكرها على القول–وقد أمكنه صرف الضمير إلى غيره–فمتى لم يفعله فقد اختار إظهار الكفر من غير إكراه فلزمه حكم الكفر .

وقوله صلى اللّٰه عليه وسلم لعمار:(إن عادوا فعد)إنما هو علىٰ وجه الإباحة،لا علىٰ وجهة الإيجاب ولا على الندب–وقال أصحابنا:الأفضل أن لا يعطى التقية ولا يظهر الكفر حتى يقتل وإن كان غير ذلک مباحا له)

(احکام القرآن: جلد پنجم: ص13-مکتبہ شاملہ)

ترجمہ: ارشاد الٰہی (جو اپنے ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ کا انکار کرے، مگر جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو) معمر نے عبد الکریم سے، انہوں نے ابوعبید بن محمد بن عمار بن یاسر سے روایت کیا: (مگر جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو)

ابوعبید نے فرمایا کہ مشرکین نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھ (مسلمانوں کی) ایک جماعت کو گرفتار کرلیا، پس انہیں خوب عذاب دیا، یہاں تک کہ ان کو اپنے بعض ارادے کے قریب پہنچا دیا۔

پس حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی شکایت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تمہارا دل کیسا تھا؟

حضرت عمار نے عرض کیا: ایمان پر مطمئن تھا۔ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اگر وہ لوگ دوبارہ (ظلم وستم) کریں تو تم دوبارہ (ویسا) کرو۔

ابوبکر جصاص رازی نے کہا: حالت اکراہ میں کلمہ کفر کے اظہار کے جائز ہونے میں یہ حدیث اصل ہے، اور اس کو جائز کرنے والا اکراہ وہ ہے کہ اپنی جان کا خوف ہو، یا اپنے بعض اعضا کے تلف ہونے کا خوف ہو، اگر وہ نہ کرے جس کا اسے حکم دیا جارہا ہے، پس اس حال میں اس کو کلمہ کفر کے اظہار کی اجازت دی گئی۔

اور کلمہ کفر کے معارض دوسرا کلمہ ہوگا جب اس کے دل میں اس کا خیال آئے تو اگر وہ اس کا خیال آنے کے باوجود اسے نہ کرے تو وہ کافر ہے۔

امام محمد بن حسن نے فرمایا: جب کفار اسے مجبور کریں کہ وہ "محمد" (حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو سب وشتم کرے تو اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ کسی دوسرے محمد کو سب وشتم کرے، پھر اس نے ایسا نہ کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب وشتم کیا تو وہ کافر ہے۔

اسی طرح اگر اسے کہا جائے کہ تم ضرور اس صلیب کو سجدہ کرو تو اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے پس اس نے ایسا نہ کیا اور صلیب کو سجدہ کیا تو وہ کافر ہے۔

پس اگر لوگوں نے اس کے ساتھ جلد بازی کی (جس سے وہ غور وفکر نہ کرسکا) اور اس کے دل میں کسی چیز کا خیال نہ آیا اور اس نے وہ کہہ دیا یا کردیا جس پر اسے مجبور کیا گیا تو وہ

کافر نہ ہوا، جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔

امام جصاص رازی نے فرمایا: حکم کفر اس لیے ہے کہ جب اس کے دل میں ہمارے ذکر کردہ امر کا خیال گزرا تو اسے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کو سب وشتم کرنا ممکن تھا، کیوں کہ وہ قلب پر مجبور نہیں تھا، وہ صرف قول پر مجبور تھا اور اسے دل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کی طرف پھیر دینا ممکن تھا، پس جب اس نے ایسا نہیں کیا تو اس نے بلا جبر واکراہ کفر کو اختیار کیا تو اسے حکم کفر لازم ہو گیا۔

اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک کہ: (اگر وہ لوگ دوبارہ (ظلم وستم) کریں تو تم دوبارہ (ویسا) کرو) یہ اباحت کے طور پر ہے، ایجاب واستحباب کے طور پر نہیں ہے۔

اور ہمارے اصحاب حنفیہ نے فرمایا: افضل ہے کہ تقیہ نہ کرے اور کفر ظاہر نہ کرے، یہاں تک کہ وہ قتل ہو جائے، گرچہ اس کے علاوہ صورت اس کے لیے جائز ہے۔

جصاص رازی کے قول **(ویعارض بها غیره إذا خطر ذلک بباله–فإن لم یفعل ذلک مع خطوره بباله کان کافرا)** کا مفہوم یہ ہے کہ بوقت اکراہ اگر اس کے دل میں توریہ کی صورت کا خیال آیا تو وہ توریہ کرے۔ اگر توریہ نہ کرے گا تو اس پر کفر کا حکم عائد ہوگا، کیوں کہ کلمہ کفر سے بچنے کی ایک راہ اسے فراہم ہو چکی ہے۔

مشرکین نے کسی مسلمان کو مجبور کیا اور کہا کہ تم اپنے معبود کو برا بھلا کہو۔ مسلمان نے مشرکین کے معبود باطل کی نیت کی اور کہا کہ معبود ایسا ہے، ویسا ہے۔ یہی توریہ ہے۔

(إذا لم یکن مکرها علی الضمیر وإنما کان مکرها علی القول) کا مفہوم یہ ہے کہ مشرکین دل کی نیت پر جبر نہیں کر سکتے، لہٰذا جب توریہ کی صورت خیال میں آئے تو حالت اکراہ میں بھی مسلمان پر توریہ فرض ہے، ورنہ کفر کا حکم عائد ہوگا۔

(فإن أعجلوه عن الرویة ولم یخطر بباله شیء، وقال ما أکره علیه أو

فعل لم یکن کافرا،إذا کان قلبه مطمئنا بالإیمان) کامفہوم یہ ہے کہ جلد بازی میں توریہ کی صورت خیال میں نہ آسکی اورکلمہ کفرکہا،اوردل ایمان پرمطمئن تھاتو معذورہے۔

توریہ کاخیال آنے پرتوریہ کرنافرض

اکراہ تام کی صورت میں توریہ کاخیال آیاتو مجبورشخص کوتوریہ کرنافرض ہے۔توریہ نہ کیاتو حالت اکراہ میں بھی کلمہ کفرکہنے پرکفرکاحکم ہے۔حالت اکراہ میں توریہ سے متعلق فتاویٰ رضویہ سے ایک سوال وجواب منقولہ ذیل ہے۔

مسئلہ:کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہر بنارس میں ایک مسجدمتصل کچہری دیوانی جس میں نمازوقتیہ وجمعہ ہوتاہے،عرصہ دراز سے ایک جلسہ بایمائے حاکم ضلع بغرض انہدام مسجد مذکوراہل اسلام نے کیا۔

من جملہ اور باتوں کے بیان کیا گیا کہ مسجدکاکھودنا بمعاوضہ مکان دیگرازروئے کتب فقہ جائزہےتو یہ مسجدکھوڈالی جائے،بعوض اس کے دوسری مسجدسرکارکی جانب سے تیارکردی جائے،حالاں کہ مسجدکاکھودناازروئے فقہ جائزنہیں ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:**(لوکان مسجد فی محلة ضاق علٰی اهله ولایسعهم ان یزیدوا فیه فسألهم بعض الجیران ان یجعلوا ذلک المسجد له لیدخله فی داره ویعطیهم مکانه عوضا ما هو خیر له فیسع فیه اهل المحلة–قال محمد رحمه اللّٰه تعالٰی:لا یسعهم ذلک)**

(اگرمحلّہ کی مسجداہل محلّہ پرتنگ ہوگئی ہو،اوروہ لوگ اس میں کشادگی نہ کرسکتے ہوں تو اس مسئلہ کےمتعلق بعض پڑوسی یہ کہتے ہوں کہ مسجدکوان میں سےکوئی ایک حاصل کرے،اور اپنے گھر میں شامل کرے،اوراس کےعوض متبادل بہترجگہ مسجد کے لیےخریدے،تاکہ اہل محلّہ مسجد میں کشادگی حاصل کرسکیں۔امام محمدرحمہ اللہ تعالیٰ نےفرمایا:ایسا کرنا ان کے لیے

جائز نہیں ہے۔ت)

اُس جلسہ میں بعض وہ شریک تھے جو بنارس کے مولوی صاحب کہلاتے ہیں۔انھوں نے معلوم نہیں کس غرض سے مسجد مذکور کے کھودنے کے واسطے رائے دی اور دستخط بھی کیے، بلکہ مولوی صاحب موصوف سے لوگوں نے دریافت کیا تو مولوی صاحب نے جواب دیا:

کھودنے کے واسطے رائے نہ دیتا تو کیا بیڑیاں پیروں میں ڈالتا، حالت اکراہ میں تو دو خدا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دینا جائز ہیں۔

حالاں کہ کسی قسم کا اکراہ حاکمِ ضلع کی جانب سے نہ تھا،صرف اہلِ اسلام سے امر مذکور الصدر میں رائے طلب کی گئی تھی۔مولوی صاحب نے اکراہ کو''قُطِعَ اَوْ قُتِلَ'' کے ساتھ مقید نہیں کیا،اور نہ توریہ کو کہا جس کی قید کتبِ فقہ میں ہے۔الغرض ایسی ایسی باتیں مولوی صاحب نے بیان کیں جس سے عوام کے گمراہ ہوجانے کا خیال ہے۔

حنفیوں پر اکثر طعنے بھی مخالفین کے ہونے لگے کہ تمھارے یہاں ایسے ایسے گندے مسائل ہیں۔مولوی صاحب کو امام نماز کا از روئے شرع و مصلحت بنانا چاہئے، یا نہیں؟

بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب

الجواب: یہ شخص بنص قطعی قرآن شریف فاسق وفاجر ہے۔قال اللہ تعالیٰ: (ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعیٰ فی خرابہا)

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو باز رکھے خدا کی مسجدوں کو اُن میں نامِ خدا لیے جانے سے اور کوشش کرے ان کی ویرانی میں۔

عذر اکراہ محض جھوٹا ہے۔جو کمیٹیاں رائے زنی کے لیے مقرر کی جاتی ہیں، ہرگز حکام کی طرف سے گلے میں چھری نہیں رکھی جاتی کہ اگر تم نے یوں رائے نہ دی تو قتل کر دیئے جاؤ گے، یا زبان کاٹ لی جائے گی، یا ہاتھ قلم کر دیئے جائیں گے، بلکہ رائے زنی کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہر شخص آزادانہ اپنی رائے ظاہر کرے۔

ہاں، دنیا پرست جیفہ خور خوشامد میں آکر دین و ایمان گنوا کر حکام پر جبر و اکراہ کا طوفان اٹھا کر بحیلہ کاذبہ اکراہ چاہیں، مسجد ڈھائیں، چاہے خدا اور رسول کو گالیاں سنائیں، چاہے دو کے آتے تین گائیں۔(**وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون**)

(عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت)

ایسے لوگ نہ عنداللہ معذور ہو سکتے ہیں، نہ عندالحکام مجبور:

مبادا دل آں فرومایہ شاد   کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

(اس کمینے کا دل کبھی خوش نہ ہو جو دنیا کی خاطر دین کو ہوا کے حوالے کر دیتا ہے۔ت)

خردمند انصاف پسند حاکموں کی نگاہ میں بھی دین فروش نہایت ذلیل و خوار ہوتا ہے کہ جس نے ذراسی خوشامد کے لیے دین جیسی عزیز چیز کو خیر باد کہا، اس سے جو پا جائے، تھوڑا ہے۔ جس نے ادنیٰ طمع کے واسطے حاکم حقیقی جل جلالہ سے روگردانی کی، اس حاکم دنیوی کے ساتھ خیر خواہی کی توقع کیا ہے۔(**خسر الدنیا والاٰخرۃ ذلک ھو الخسران المبین**)(دنیا و آخرت کا گھاٹا یہی صریح نقصان ہے۔ت)

اور مسئلہ اکراہ یوں بے قید الفاظ جو خدا اور رسول کی جانب منہ بھر کر اس شخص نے کہے، وہ بھی اس کے سوئے ادب و قلت دین پر دال ہیں۔ شرع مطہر میں خوفِ جان کے وقت بھی حکم عزیمت یہی ہے کہ کسی طرح اصلاً کلمہ کفر زبان سے نہ نکالے اور رخصت یہ کہ حتی الامکان توریہ کر کے پہلو دار بات سے جان بچائیں۔ اگر توریہ پر قادر تھا، اور اسے چھوڑ کر صریح کلمہ کفر بولا، قطعاً یقیناً کافر ہو جائے گا۔

دُرمختار میں ہے:(**ان اکرہ علی الکفر باللّٰہ تعالٰی او بسب النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم بقطع او قتل، رخص لہ ان یظھر ما امر بہ علٰی لسانہ ویوری وقلبہ مطمئن بالایمان–وان خطر ببالہ التوریۃ ولم یور کفر وبانت دیانۃ وقضاء(نوازل وجلالیۃ)ویوجر لو صبر لترکہ الاجراء المحرم:الخ باختصار**)

اگر کسی کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاذ اللہ کفر کرے، یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذ اللہ گالی دے، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا، یا اس کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے گا تو اسے اجازت ہے کہ زبان پر ایسے کلمات کو جاری کر دے جن کا مطالبہ کیا گیا ہو، لیکن توریہ (یعنی حتی الامکان پہلودار بات کے ذریعے جان بچائے) سے کام لے، اور اس کا دل ایمان پر مطمئن اور قائم رہے، اور اگر اس کے دل میں توریہ کا خیال آیا، مگر اس نے توریہ نہ کیا تو وہ کافر ہوجائے گا، اور اس کی عورت قضاءً و دیانۃً بائنہ ہوجائے گی (نوازل اور جلالیہ)، اور اگر صبر و ہمت سے کام لے تو اجر پائے گا، کیوں کہ اس نے حرام کام کے ارتکاب کا ترک کیا ہے: الخ، اختصاراً۔ت)

ایسے شدید فاسق کو افضل الاعمال نماز و مناجات بارگاہِ بے نیاز میں اپنا امام بنانا سخت حماقت اور دین میں بے احتیاطی و جرأت ہے، جب وہ ادنیٰ طمع یا خوشامد کے لیے مسجد ڈھانے کے لیے موجود ہے تو ادنیٰ تکلیف یا کاہلی کے باعث بے نہائے یا بے وضو نماز پڑھاتے اسے کیا لگتا ہے۔ ایسے کو امام بنانے والے گناہ گار ہوں گے۔ مسلمانوں کو چاہیے ہرگز ہرگز اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ اگر ناواقفی میں پڑھ لی تو اعادہ کریں۔

غنیّۃ شرح منیہ میں ہے: (**لو قدموا فاسقا یاثمون بناء علٰی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریم لعدم اعتنائه بامور دینه وتساھله فی الاتیان بلوازمه، فلا یبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلٰوۃ وفعل ما ینافیھا، بل ھو الغالب بالنظر الی فسقه**)

(اگر لوگوں نے فاسق کو امام بنا دیا تو اس بنا پر گناہگار ہوں گے کہ ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ فاسق امور دینیہ میں لاپروائی برتتا ہے اور دین کے لوازمات کو بجا لانے میں سستی کرتا ہے، پس ایسے شخص سے یہ بعید نہیں کہ وہ نماز کے بعض شرائط چھوڑ دے اور نماز کے منافی عمل کو بجالائے، بلکہ ایسا کرنا اس کے فسق کے پیش نظر اغلب ہے۔ت)

(فتاویٰ رضویہ: جلد ششم: ص 481-483- جامعہ نظامیہ لاہور)

مذکورہ امام نے قتل نفس،تلف عضو وضرب شدید کے خوف کے بغیر ہی اکراہ مان لیا اور اکراہ میں بھی توریہ کا خیال ہونے پرتوریہ کا حکم ہے،اسے بھی نظر انداز کر دیا ، نیز مذکورہ صورت میں اکراہ کی صورت ہی نہ تھی ، بلکہ مشورہ طلب کیا گیا تھا۔امام نے بلا اکراہ شرعی مسجد کی منتقلی کوقبول کرلیا،اور دستخط بھی کر دیا،اس لیے اسے شدید فاسق قرار دیا گیا۔

کفری قول میں نیت کا اعتبار نہیں

اگر کوئی کفر یہ قول بلا جبر واکراہ کہے اور دل میں اس کفر کا اعتقاد نہ ہوتوحکم ظاہر میں بھی کافر ہے،اور عنداللہ بھی کافر ہے۔قلبی اعتقاد کا لحاظ تکفیر میں نہیں۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا کہ قلبی اعتقاد کا لحاظ تکفیر میں نہیں، بلکہ مرجوح قول کے مطابق عنداللہ کافر ہونے میں ہے،اور قول مرجوح کے مطابق فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ہے۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے فلسفی کی بحث میں رقم فرمایا:''تو جان لے کہ عبد ضعیف (اس پر مہربان مولیٰ مہربانی فرمائے) جب اس مقام پر پہنچا اور اس کلام کی وجہ سے متکلم پر حکم لگانے کا وقت آیا تو اسی کلمہ اسلام کی عظمت وجلالت دامنگیر ہوئی، چناں چہ اس نے تکفیر کو بہت ہی عظیم معاملہ سمجھا،اس بات کا خوف کرتے ہوئے کہ ہوسکتا ہے، یہاں گہرا باریک علمی نکتہ ہو،جس تک میری دانش نہ پہنچی ہو، یا کوئی الگ تھلگ علمی بات جس کو میرا علم حاوی نہ ہوا ہوتو میں نے مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ سے استخارہ کیا اور کتابوں کی طرف مراجعت اور ورق گردانی کرنے لگا ، یہاں تک کہ میں نے اپنی پوری کوشش کر لی ،اور مقدور بھر انتہائی محنت ومشقت کو بروئے کار لایا ،اور اس میں پورے دو دن صرف کر دیئے ،اس کے باوجود میں نے کوئی ایسی شیٔ نہ پائی جس سے آنکھ ٹھنڈی ہوتی ، بلکہ جب بھی کتابوں کی تلاش میں منہمک ہوا، پے در پے تکفیر کے مؤید اقوال ہی پائے ، یہاں تک کہ میں نے حنفی ،شافعی ،مالکی اور حنبلی فقہائے کرام اور علمائے عظام کی کتب میں بہت سے عظیم مسائل اور عام فروع پر

واقفیت حاصل کی تو وہ مجموعی طور پر بھی ایسے ہی ہیں، جیسے الگ الگ، گویا کہ وہ سب ایک ہی کمان سے تیراندازی کرتے ہیں، چناں چہ میں نے یقین کرلیا کہ اس شخص کے لیے کوئی جائے فرار نہیں، اور نہ ہی حکم تکفیر سے ہٹنے کی گنجائش ہے۔

اے اللہ! مگر ایک ضعیف روایت جو ہمارے بعض علما سے جامع اصغر میں منقول ہے، وہ یہ کہ ارادۂ قلبی معتبر ہے۔ جامع اصغر میں اس کو وارد کیا، پھر اس کا خوب رد کیا، لیکن میں نے اس میں زیادہ سوچ بچار کی اور گناہ سے بچنے کے لیے توقف کو پسند کیا، یہ سمجھتے ہوئے کہ مخالفت اگرچہ کمزور ہے، مگر یہاں کافی ہے۔

چناں چہ میں نے گہری نظر ڈالی، اور فکر میں مبالغہ کیا، یہاں تک کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے مجھ پر آشکارا فرمادیا کہ تکفیر پر اجماع ہے، نزاع تو فقط کفر میں ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں کہ جس نے بخوشی جان بوجھ کر بقائمی ہوش وحواس کلمہ کفر بولا، وہ ہمارے نزدیک قطعی طور پر کافر ہے۔ اس میں دو بکریاں سینگ نہیں لڑائیں گی۔

ہم اس پر مرتد ہونے کے احکام جاری کریں گے۔ اس کی بیوی پر حرام ہوگا کہ وہ خود کو اس کے قابو میں دے، اور اس کے لیے جائز ہوگا کہ بغیر طلاق جس کے ساتھ چاہے، نکاح کرلے، اور کلمہ کفر کہنے والے کو ہم بطور استحباب تین دن محبوس رکھیں گے، اور اس کو مہلت دیں گے، تاکہ اسے توبہ کی توفیق ملے۔ اگر اس نے توبہ کرلی تو ٹھیک، ورنہ قتل کر کے اس کی لاش کو کتے کی لاش کی طرح غسل، کفن، نماز جنازہ اور دفن کے بغیر پھینک دیں گے۔

مسلمان مورثوں سے اس کی میراث منقطع کردیں گے، اور اس کی حالت ارتداد کی کمائی کو تمام مسلمانوں کے لیے غنیمت بنادیں گے۔ اسی طرح اس کے علاوہ دیگر احکام جاری کریں گے جو کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

رہا یہ مسئلہ کہ کیا وہ اس کلمہ کے ساتھ عنداللہ کافر ہوجائے گا یا نہیں تو ایک قول یہ ہے کہ نہیں ہوگا، جب دلی ارادہ نہ پایا جائے، کیوں کہ تصدیق کا محل دل ہے۔ یہی وہ حکایت

ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، جب کہ عام علمائے کرام اور جمہور امنا نے کہا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا، اگر چہ دلی طور پر عزم نہ پایا جائے، کیوں کہ وہ دین کے ساتھ کھیلنے والا ہے، اور یہ یقیناً کفر ہے۔

تحقیق اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ اس جیسے فعل کا ارتکاب صرف وہی کرے گا جس کے دل سے اللہ تعالیٰ ایمان سلب کر لیتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور اے محبوب! اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم یوں ہی ہنسی اور کھیل کر رہے تھے۔ آپ ارشاد فرما دیں: کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے، مسلمان ہو کر۔

اور یہی صحیح وراجح ہے جو تصحیح کے نقش ونگار سے مزین ہے تو یہاں سے ہی میں نے ایک خوبصورت جلیل القدر رسالہ بنا دیا جو چمک دار فوائد اور بڑے بڑے موتیوں پر مشتمل ہے۔ میں نے اس کا نام ''البارقۃ اللمعا فی سوء من نطق بکفر طوعا'' (۱۳۰۴ھ) رکھا، تا کہ نام سے رسالہ کی تاریخ تصنیف کا علم ہو جائے۔ ہمارے اس رسالے کی طرح جس میں اب ہم مشغول ہیں، اس کا نام ہم نے ''مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید'' رکھا۔

تجھ پر اس رسالہ ''البارقۃ اللمعا'' کا مطالعہ لازم ہے، کیوں کہ میں نے اس میں تحقیق کی ہے کہ برضا ورغبت کفریہ کلمہ بولنے والے کی تکفیر پر اجماع ہے۔ اس میں کوئی نزاع نہیں۔ میں نے اس پر ایسے بلند دلائل قائم کیے ہیں جنہیں جھکایا نہیں جا سکتا اور ایسے قطعی براہین قائم کیے ہیں جن میں کمی نہیں کی جا سکتی۔ دل مطمئن، معاملہ ثابت، درستگی ظاہر اور حجاب منکشف ہو گیا، اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا''۔

(مقامع الحدید: فتاویٰ رضویہ: جلد 27 ص 180 - جامعہ نظامیہ لاہور)

وضاحت: یہ عربی عبارت کا ترجمہ ہے۔ بخوف طوالت عربی عبارت نقل نہ کی گئی۔

جان بجھ کر بلا اکراہ تام کفری کلام کہنے پر ملزم کی تکفیر کی جائے گی۔ وہ معذور نہیں ہے۔

دھوکہ دینے کے واسطے کفریہ کلام کہنا کفر

علامہ برزنجی نے فرمایا کہ ابوطالب بظاہر ایسے کلمات کہتے جس سے کفار کو وہم ہوتا کہ وہ ان کے مذہب پر ہیں،لیکن کفار کوفریب دینے کے واسطے کفریہ کلام کہنا بھی کفر ہے۔

''ابوطالب بظاہر ایسے الفاظ کہتے جو اس عذر پر دلالت کرتے اور دوسرے الفاظ کہتے جن سے کفار کو وہم ہوتا کہ وہ ان کے مذہب پر ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبع نہیں ہیں،تا کہ ان الفاظ کے ذریعہ اپنی ذات سے شبہ اور تہمت کو دور کریں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبع ہیں،تا کہ کفار قریش ان کی حمایت ونصرت کو نافذ کریں''۔

(اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص135-دارالامام النووی عمان)

اگر کوئی بالقصد کفری کلام کہے تو صرف اکراہ تام کی صورت حکم کفر سے بالاتفاق مستثنیٰ ہے۔سبقت لسانی کے سبب زبان سے کفریہ کلمہ نکل جائے تو بھی توبہ واستغفار کا حکم ہے۔

لاعلمی کے سبب کفری کلام کو قصداً کہا تو اس کا کفر مختلف فیہ ہے۔کسی کو فریب دینے کے لیے کفریہ کلمہ کہا تو بھی کفر کا حکم ہے،لہٰذا ابوطالب کا کفری کلام کہنا کفر قرار پائے گا۔

فتاویٰ رضویہ سے ایک سوال وجواب منقولہ ذیل ہے۔عدم دستیابی کے سبب سوال کا ابتدائی حصہ فتاویٰ رضویہ میں منقول نہیں ۔ جواب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں سوال ہے،اس نے خود کو وید کا عاشق ، آریہ دھرم کے لیے بے چین اور اپنے آریہ ہونے کو قابل فخر ظاہر کیا تھا۔جواب کے درج ذیل اقتباس سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

''جب اس کے ساتھ وہ جملے ملحق تھے جن کے جواب سے آریہ عاجز ہیں تو وہ ایسے پاگل نہیں کہ اپنی موت انھیں نہ سوجھے اور کرے حملے کرنے والے کو سمجھ لیں کہ واقعی یہ دل سے وید کا عاشق اور ویدک دھرم کے لیے بے چین اور آریہ ہونے کو عزت وفخر وسرفرازی جاننے والا ہے''۔فتاویٰ رضویہ کا سوال وجواب منقولہ ذیل ہے۔

مسئلہ: وہ اب یہ بیان کرتے ہیں کہ میں کوٹہ میں مولانا کا فتویٰ دیکھ آیا۔ اس کی رو سے مجھ پر ان اقوال کی وجہ سے معاذ اللہ کفر عائد نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں، میں نے یہ اقوال صرف آریہ کا بھید لینے کو کہے تھے۔ الحرب خدعۃ (جنگ دھوکا ہے۔ ت)

اور یہ ایک ایسے مضمون کے ساتھ ملحق تھے جس میں آریوں اوران کے مذہب پر حملہ تھا جس کی وجہ سے معلوم ہوسکتا تھا کہ یہ میں نے رضامندی سے نہیں کہے، ان وجہوں کی بنا پر آیا ان سے کفر ثابت ہوگا یا نہیں؟

اور بہر تقدیر نکاح کے بارہ میں کیا حکم ہے۔ اگر تجدید نہ کی جائے تو بھی نکاح سابق کسی صورت میں بحال ہے یا نہیں؟ میں امید کرتا ہوں کہ ان مسائل کے جواب اور اس فتویٰ کی نقل سے جو کوٹہ روانہ کیا، جناب مجھ کو مطلع کریں گے۔ زیادہ آداب، محمد میاں قادری برکاتی عفی عنہ: از لکھنو (نوٹ: سوال کا ابتدائی حصہ دستیاب نہ ہوا)

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے جواب میں رقم فرمایا: ''فتویٰ کہ فقیر نے کوٹہ بھیجا تھا، اس کی نقل حاضر ہے۔ اس کے کون سے حرف میں ان کے لیے حکم کفر سے نجات ہے۔

اس میں دو شقیں کیں: اول یہ کہ کلمات دل سے کہے، اس پر یہ لکھا کہ: ''جب تو اس کا کفر صریح ظاہر واضح ہے جس میں کسی جاہل کو بھی تامل نہیں ہوسکتا''۔

اس کا مفہوم مخالف صرف اس قدر کہ اگر دل سے نہ کہے تو کفر ایسا واضح نہیں جس میں کسی جاہل کو بھی تامل نہ ہوسکے۔ نہ یہ کہ دل سے نہ کہے تو کفر ہی نہیں، کفر ضرور ہے۔

اگرچہ اس درجہ شدت ظہور پر نہیں کہ کوئی جاہل بھی تامل نہ کرسکے، بلکہ اس سے ظاہر یہ ہے کہ دل سے نہ کہے جب بھی اس کے کفر میں کوئی جاہل تامل کرسکے، کسی اہل علم کو تامل نہیں ہوسکتا، اور جاہلوں میں سب کو نہیں، کسی کو، اور وہ بھی یقیناً نہیں، امکاناً، یعنی دل سے نہ کہے کی حالت میں احتمال ہے کہ شاید کوئی جاہل اس کے کفر میں تامل کرے، اور دل سے کہے تو اتنا احتمال بھی نہیں۔

دوسری شق یہ کہ آریہ کو دھوکا دینے کے لیے استعمال کیے، دل سے ان کلمات ملعونہ کو پسند نہیں کرتا۔ یہی وہ عذر ہے جو وہ اب بیان کرتے ہیں، ان کے بیان سے پہلے ہی فتوے میں اس کا رد موجود ہے کہ: ''دھوکے کا عذر محض جھوٹ اور باطل ہے''۔

جب اس کے ساتھ وہ جملے ملحق تھے جن کے جواب سے آریہ عاجز ہیں تو وہ ایسے پاگل نہیں کہ اپنی موت انھیں نہ سوجھے، اور کرے حملے کرنے والے کو سمجھ لیں کہ واقعی یہ دل سے وید کا عاشق اور ویدک دھرم کے لیے بے چین اور آریہ ہونے کو عزت وفخر وسرفرازی جاننے والا ہے۔

آخر نہ دیکھا کہ انھوں نے ایک نہ سنی اور عاشق بے چین کو عزت وفخر وسرفرازی سے محروم رکھا۔ اگر وہ ذرا بھی دھوکا کھاتے تو ایسے شخص کو جو عوام میں عالم مشہور اور دھڑلے کا واعظ اور اتنے اونچے عالی اعلیٰ خاندان سے اور سورروپے ماہوار کی جائداد بھی دکھائے، شہد پر مکھیوں کی طرح گرتے، لپٹتے پیان پوجتے، ڈنڈوت کرتے، کندھوں پر چڑھا کر سر بازار باجا بجاتے گروکل لے جاتے اور اسی مضمون کا لکچر دلواتے، مگر انھوں نے منہ بھی نہ لگایا۔

ایمان بھی گیا اور دھوکا بھی نہ ہوا۔ حقیقۃً ابلیس لعین نے اسے دھوکا دے کر ایمان لے لیا۔ کافر تو اس کے دھوکے میں نہ آئے، مگر یہ اس کافر ملعون ابد کے دھوکے میں آ گیا۔

اور بفرض غلط اگر اس میں آریہ کو دھوکا ہوتا بھی تو دھوکا دینا کیا ایسا ضرور ہے جس کے سبب کھلے کفر بکے: (**وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر**)

اور فرمادو کہ حق تمھارے رب کی طرف سے ہے، تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ت)

کیا بلاضرورت باختیار خود کفر بکنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، جب کہ دل سے نہ ہو۔ اس دل سے نہ ہونے کا عذر منافقین پیش کر چکے، اور اس پر واحد قہار سے فتوائے کفر پا چکے:

(**ولئن سألتھم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب قل اَ باللّٰہ واٰیٰتہ**

ورسوله کنتم تستهزؤن لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم)

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ: کیا اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔

یہیں سے رضامندی نہ ہونے کا بھی جواب واضح ہو گیا کہ ہزل واستہزا میں بھی رضا بالحکم نہیں ہوتی، ورنہ جد ہو، نہ ہزل۔

ردالمحتار میں ہازل کی نسبت ہے: (**انه تکلم بالسبب قصدًا فیلزمه حکمه وان لم یرض به**) اس نے قصداً سبب کا تکلم کیا، لہٰذا اس پر حکم لازم ہوگا، اگرچہ وہ اس سے راضی نہ تھا۔ ت)

اور بفرض غلط اگر دھوکا دینا ضرور بھی ہو تو ہر ضرورت کفر سے نہیں بچاتی۔ یوں تو جو ننگے بھوکے پیٹ کی خاطر عیسائی ہو جاتے ہیں، انھیں بھی کہئے، کافر نہ ہوئے کہ بضرورت کفر اختیار کیا۔ یہاں وہ ضرورت معتبر ہے کہ حد اکراہ شرعی تک پہنچی اور یہ بداہۃً ظاہر کہ دھوکا دینا ضروری بھی سہی، تاہم تو حد اکراہ تک کسی طرح نہیں پہنچ سکتا۔ کیا قائل اگر یہ دھوکا نہ دیتا تو کوئی اسے قتل کر دیتا، یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیتا، یا آنکھیں پھوڑ دیتا، کچھ بھی نہ ہوتا۔

اس کے ایک رونگٹے کو بھی ضرر نہ پہنچتا تو یقیناً اس نے بلا اکراہ وہ کلمات کفر بکے اور واحد قہار عز جلالہ نے کلمہ کفر بکنے میں کافر ہونے سے صرف مبتلائے اکراہ کا استثنا فرمایا ہے کہ ارشاد فرماتا ہے: (**الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان**) (سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ ت)

یہاں اکراہ درکنار ایک رونگٹے کو بھی کچھ نقصان نہ پہنچتا تھا۔ ایک دھیلا بھی گرہ سے نہ جاتا تھا اور بکے وہ کلمات کہ مجرد علامت کفر نہیں، بلکہ حقیقۃً خود کفر خالص ہیں تو قطعاً دل کھول کر کفر بکنا ہوا، اور یقیناً بنص قطعی قرآن کفر ہے، ولہٰذا جو بلا اکراہ کلمہ کفر بکے، بلا فرق

نیت مطلقاً قطعاً یقیناً اجماعا کافر ہے۔عورت اس کی نکاح سے فوراً نکل جاتی ہے، جب تک ازسرنو اسلام نہ لائے اور اپنے کلمات ملعونہ سے برائت وتوبہ صادقہ نہ کرے، ہرگز اس سے نکاح نہیں ہوسکتا ،اور اگر اسلام لے آئے ،توبہ کرے،اور پھر نکاح سابق کی بنا پر عورت کو زوجہ بنائے تو قطعاً زنائے خالص ہے۔

فتاویٰ امام قاضی خاں وفتاویٰ عالمگیری میں ہے:(**رجل کفر بلسانه طائعا و قلبه مطمئن بالایمان یکون کافرا—ولا یکون عند اللّٰه تعالٰی مومنا**)

(ایک شخص نے زبان سے حالت خوشی میں کفر کا اظہار کیا، حالاں کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا تو وہ کافر ہے،اور وہ اللہ تعالٰی کے ہاں مومن نہیں ہے۔ت)

حاوی میں ہے:(**من کفر باللسان وقلبه مطمئن بالایمان فهو کافر و لیس بمومن عند اللّٰه تعالٰی**)(جس نے زبان سے کفر کیا، حالاں کہ دل ایمان پر تھا تو وہ کافر ہے اور وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی مومن نہیں۔ت)

جواہرالاخلاطی اور مجمع الانہر میں ہے:(**من کفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالایمان کان کافرا عندنا وعنداللّٰه تعالٰی**) جس نے زبان سے حالت خوشی میں کفر کا اظہار کیا، حالاں کہ اس کا دل ایمان پر تھا تو وہ کافر اور اللہ تعالٰی کے ہاں بھی مومن نہیں۔ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:(**اللسان ترجمان الجنان فیکون دلیل التصدیق وجودًا وعدمًا فاذا بدله بغیره فی وقت یکون متمکنا من اظهاره کان کافرا —واما اذا زال تمکنه من الاظهار بالاکراه لم یصر کافرا**)

(زبان دل کی ترجمان ہے تو یہ دل کی تصدیق یا عدم تصدیق پر دلیل ہوگی تو جب وہ اظہار ایمان پر قدرت کے باوجود عدم تصدیق کا اظہار کرتا ہے تو وہ کافر ہوگیا۔البتہ جب کسی جبر کی وجہ سے قدرت اظہار پر نہ ہو تو اب کافر نہ ہوگا۔ت)

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں ہے:(**حکمه ای التکلم بکلمة الکفران کان**

طوعًا ای لم یکرھه احد من غیر سبق لسان الیه،احباط العمل وانفساخ النکاح) (اگر کلمہ کفر کا تکلم خوشی سے ہے یعنی کسی چیز کا اکراہ و جبر نہیں، جب کہ سبقت لسانی نہ ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ عمل ضائع اور نکاح ختم ہوجائے گا۔ت)

یہ شرح ہے میرے ان الفاظ کی ۔ کہئے اس میں کون سی ان کے لیے مفر ہے۔ہاں، اللہ مجھے معاف کرے، اتنا قصور ضرور ہوا کہ لہجہ نرم تھا جس کے سبب گنجائش کا وہم گزرا۔

وہ بے عقل یہاں سے سبق لیں جو سختی سختی پکارتے ہیں۔زمانہ کی حالت یہ ہے کہ ذرا نرم لفظوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ایک بات اور بھی قابل گزارش ہے کہ حدیث میں ارشاد فرمایا:

(اذ اعـملت سیئة فاحدث عندھا توبة السر بالسر و العلانیة بالعلانیة رواہ الطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللّٰہ تعالٰی عنه بسند حسن)

(اگر کوئی برائی کر بیٹھو تو اس سے توبہ کرو۔مخفی گناہ پر مخفی اور اعلانیہ گناہ پر اعلانیہ توبہ کرو ۔امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں اسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ت) علانیہ گناہ کی علانیہ توبہ کا حکم ہے اور انھوں نے اس کا یہاں تک اعلان کیا کہ اخبار میں شائع کرایا، اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ت)

(فتاویٰ رضویہ: جلد 14:ص 597-602- جامعہ نظامیہ لاہور)

دھوکہ دینے کے واسطے کفری کلام کہا تو بھی کفر کا حکم نافذ ہوگا: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

علامہ برزنجی نے فرمایا کہ ابو طالب کفار کے سامنے ایسی بات کہتے کہ کفار کو وہم ہوتا کہ ابو طالب کفار قریش کے مذہب پر ہیں، پس اس طرح کفری کلام کہنا بھی کفر ہی ہوگا جیسا کہ منقولہ بالا فتویٰ میں اس کی تفصیل مرقوم ہے۔الغرض ابو طالب معذور نہیں اور علامہ برزنجی کے کلام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کفار قریش کے سامنے کفری بات کہتے تھے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ العظیم

باب ہفتم

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ واصحابہ اجمعین

بوقت مطالبہ اقرار کرنا لازم

علامہ برزنجی نے فرمایا کہ بہت سے علمائے اہل سنت وجماعت ایمان کے لیے اقرار کی شرط نہیں لگاتے ہیں، لیکن وہ اس جانب متوجہ نہ ہو سکے کہ جو حضرات صرف تصدیق کو ایمان قرار دیتے ہیں، وہ بھی مطالبہ کے وقت اقرار کو لازم قرار دیتے ہیں اور ابوطالب کے عدم اقرار کے لیے علامہ برزنجی نے جو عذر پیش کیا، وہ شرعی عذر نہیں، نیز بوقت موت کوئی عذر نہ تھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بوقت موت اقرار کا مطالبہ فرمایا تھا۔ اگر اس وقت کوئی عذر شرعی ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقرار کا مطالبہ ہی نہیں فرماتے۔ اقرار کا مطالبہ ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس وقت کوئی عذر شرعی نہیں تھا۔

اہل سنت وجماعت کا ایک طبقہ صرف تصدیق کو ایمان بتاتا ہے۔ ایک طبقہ تصدیق واقرار کے مجموعہ کو ایمان بتاتا ہے۔ ایک طبقہ تصدیق واقرار اور عمل کے مجموعہ کو ایمان بتاتا ہے۔ (شرح المقاصد: جلد پنجم: ص176 - عالم الکتب بیروت) اور ہر طبقہ اس پر متفق ہے کہ مطالبہ کے وقت اقرار کرنا لازم ہے۔ (شرح المقاصد: جلد پنجم: ص179 - عالم الکتب)

ایمان سے متعلق علامہ برزنجی کا نظریہ

(1) علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی (۱۲۳۲ھ-۱۳۰۴ھ) نے رقم فرمایا: (**ثم ذکر العلامة البرزنجی اختلاف العلماء فی النطق بالشهادتین-هل هو شطر ای جزء من مسمی الایمان او شرط لاجراء الاحکام الدنیویة- فیترتب علیٰ کونه شطرا ای جزئا ان تارک ذلک مع القدرة یکون کافرا**

مخلدا فی النار-وعلٰی کونه شرطًا لاجراء الاحکام الدنیویة یکون غیر مخلد-فقال:قال السفاقسی فی"شرح المتهمید"ان کون الایمان هو التصدیق فقط هو الروایة الصحیحة عن الامام ابی حنیفة رضی اللّٰه عنه.

وقال العلامة العینی فی شرح البخاری:ان الاقرار باللسان شرط لاجراء الاحکام حتی ان من صدق الرسول فی جمیع ما جاء به فهو مومن فیما بینه وبین اللّٰه تعالٰی وان لم یقر بلسانه.

وقال حافظ الدین النسفی:ان ذلک هو المروی عن ابی حنیفة-و الیه ذهب الامام ابو الحسن الاشعری فی اصح الروایتین عنه-وهو قول ابی منصور الماتریدی-وقال الامام عضد الدین فی المواقف:الایمان عندنا هو التصدیق للرسول فیما علم مجیئه به ضرورة-قال شارحه السید الشریف:یعنی بقوله(عندنا)اتباع الامام ابی الحسن الاشعری.

وقد قرر الغزالی رحمه اللّٰه هذا المذهب فی احیاء علوم الدین-و اطال فیه-وهو قول امام الحرمین-وقول الاشاعرة-وقول القاضی الباقلانی والاستاذ ابی اسحاق الاسفرائینی-ونسبه التفتازانی الٰی جمهور المحققین) (اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص36-37-دارالامام النووی عمان)

ترجمہ: پھر علامہ برزنجی نے شہادتین کے بولنے سے متعلق علما کے اختلاف کو بیان کیا کہ کیا وہ مسمی ایمان کا جز ہے یا دنیوی احکام جاری کرنے کی شرط ہے تو اقرار کے جز ہونے پر حکم مرتب ہوگا کہ قدرت کے باوجود اس کا ترک کرنے والا کافر دائمی جہنمی ہے اور دنیوی احکام جاری کرنے کے لیے اقرار کے شرط ہونے پر وہ دائمی جہنمی نہیں ہوگا، پس علامہ برزنجی نے کہا: امام سفاقسی نے شرح تمہید میں فرمایا کہ ایمان صرف تصدیق ہے اور یہی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح روایت ہے۔

اور علامہ بدرالدین عینی حنفی مصری (۷۶۲ھ-۸۵۵ھ) نے شرح بخاری میں فرمایا کہ اقرار باللسان احکام کے جاری کرنے کی شرط ہے، یہاں تک کہ اگر حضور اقدس سرور دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام امور میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کیا تو وہ عنداللہ مومن ہے، اگرچہ وہ اپنی زبان سے اقرار نہ کرے۔

اور حافظ الدین نسفی نے فرمایا کہ یہی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور یہی امام ابوالحسن اشعری (۲۶۰ھ-۳۲۴ھ) کا مذہب ہے، ان سے مروی دو روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت کے مطابق اور یہی امام ابومنصور ماتریدی (۲۳۸ھ-۳۳۳ھ) کا قول ہے اور امام عضدالدین ایجی شافعی (م۷۵۶ھ) نے مواقف میں فرمایا:

ہمارے نزدیک ایمان حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ کی تصدیق کرنا ہے اس میں جس کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لانا بدیہی طور پر معلوم ہے۔

مواقف کے شارح علامہ سید شریف جرجانی حنفی (۷۴۰ھ-۸۱۶ھ) نے فرمایا:

علامہ عضدالدین نے اپنے قول (عندنا) سے امام ابوالحسن اشعری کے متبعین کو مراد لیا۔

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۰ھ-۵۰۵ھ) نے اس مذہب کو احیاء علوم الدین میں ثابت رکھا اور اس بارے میں طویل کلام فرمایا اور یہی امام الحرمین عبدالملک بن ابومحمد جوینی شافعی (۴۱۹ھ-۴۷۸ھ) اور اشاعرہ کا قول ہے اور قاضی ابوبکر باقلانی شافعی (۳۳۸ھ-۴۰۳ھ)، استاذ ابواسحاق اسفرائینی شافعی (م۴۱۸ھ-) کا قول ہے اور علامہ تفتازانی شافعی (۷۲۲ھ-۷۹۲ھ) نے اس کو جمہور علما کی طرف منسوب کیا۔

(2) علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی (۱۲۳۲ھ-۱۳۰۴ھ) نے رقم فرمایا: (**ونقل التفتازانی فی شرح المقاصد والکمال بن الھمام فی المسایرة وابن حجر فی شرح الاربعین: ان شرط النجاة فی الأخرة اذا لم یطالب به-ای النطق النطق بالشهادتین-فاذا طولب به وامتنع عنادًا وکراهة للاسلام-ای امتنع**

امتناعًا علٰی وجه الاباء عن الاسلام والکراهية والعناد فلا ينجو.

ويفهم من هذا القيد انه لو ترک النطق بعد المطالبة لا اباءً عنه ولا عنادًا-بل لعذر صحيح وقلبه مطمئن بالايمان انه لا يکون کافرًا فی ما بينه وبين اللّٰه تعالٰی-بل لو تکلم بالکفر والحالة هذه لا يضره-قال تعالٰی:(الا من اکره وقلبه مطمئن بالايمان)فهذه النصوص کلها تدل علٰی ان الايمان هو التصديق فقط-ويقابلها القول بان التصديق وحده لا يکفی-بل لا بد من النطق باللسان مع التصديق-فمن لم ينطق مع قدرته کان مخلدا فی النار-وقال بهذا کثيرون.

ونقل النووی فی شرح مسلم:اتفاق اهل السنة من المحدثين والفقهاء والمتکلمين علٰی هذا القول-واعترضوا عليه فی حکاية الاتفاق-قال ابن حجر فی شرح الاربعين:ان لکل من الائمة الاربعة قولًا بانه مؤمن عاص بترک التلفظ-بل عليه جمهور الاشاعرة وبعض محققی الحنفية کما قال المحقق الکمال بن الهمام وغيره-ان الاقرار باللسان انما هو شرط لاجراء احکام الدنيا فحسب:انتهی)

(اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب:ص 41-42- دارالامام النووی عمان)

ترجمہ:علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی نے شرح مقاصد میں اور محقق کمال ابن ہمام حنفی (۷۹۰ھ-۸۶۱ھ) نے مسایرہ میں اور امام ابن حجر ہیتمی مکی شافعی (۹۰۹ھ-۹۷۴ھ) نے شرح اربعین میں نقل کیا کہ آخرت میں نجات کی شرط (تصدیق) ہے جب اس سے اس کا یعنی نطق شہادتین کا مطالبہ نہ کیا جائے، پس جب اس سے (اقرار کا) مطالبہ کیا جائے اور وہ عناد یا اسلام کو ناپسند کرتے ہوئے (اقرار سے) باز رہے، یعنی اسلام کے انکار طریقے پر اور ناپسندیدگی اور عناد کی وجہ سے (اقرار سے) باز رہے تو وہ نجات نہیں پائے گا۔

اور اس قید سے سمجھا جاتا ہے کہ اگر مطالبہ کے بعد اقرار کو ترک کر دیا، اسلام سے انکار کرتے ہوئے نہیں اور نہ ہی عناد کی وجہ سے، بلکہ کسی صحیح عذر کی وجہ سے اور اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو تو وہ عند اللہ کافر نہیں ہوگا، بلکہ اگر کفر بولے اور حالت ایسی ہو تو اس کے لیے مضر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (مگر جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو)

پس یہ تمام نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ایمان صرف تصدیق ہے اور اس کے مقابل یہ قول ہے کہ صرف تصدیق کافی نہیں ہے، بلکہ تصدیق کے ساتھ زبان سے بولنا ضروری ہے، پس جس نے قدرت کے باوجود نہ بولا تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اکثر علما نے اسی کا قول کیا اور امام نووی نے شرح مسلم میں اسی قول پر اہل سنت کے محدثین وفقہا ومتکلمین کا اتفاق نقل کیا اور علما نے ان پر اتفاق کی حکایت میں اعتراض کیا۔

امام ابن حجر ہیتمی مکی شافعی نے شرح اربعین میں فرمایا کہ ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے ہر ایک کا ایک قول ہے کہ وہ ترک تلفظ (ترک اقرار) کے سبب گنہ گار مسلمان ہے، بلکہ اسی پر جمہور اشاعرہ اور بعض حنفی محققین ہیں جیسا کہ امام کمال بن ہمام حنفی وغیرہ نے فرمایا کہ اقرار باللسان صرف دنیاوی احکام جاری کرنے کی شرط ہے۔ (انتہی)

علامہ برزنجی نے یہ سمجھا کہ ابو طالب کو شرعی تصدیق حاصل تھی اور اس نے محض زبان سے اقرار نہیں کیا اور عدم اقرار پر ان کے لیے شرعی عذر تھا، حالاں کہ ابو طالب کو شرعی تصدیق حاصل نہیں تھی۔ باب سوم وچہارم میں اس کی تفصیل مرقوم ہوئی اور ابو طالب کو شرعی عذر بھی حاصل نہیں تھا۔ باب پنجم وششم میں اس کی تفصیل مرقوم ہے۔ اگر شرعی عذر ہوتا تو حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابو طالب سے اقرار کا مطالبہ ہی نہیں فرماتے۔

علامہ برزنجی کی یہ تشریح کہ اسلام سے انکار یا عناد یا ناپسندیدگی کے سبب اقرار نہ کرے تو کافر ہے اور عذر صحیح کے سبب اقرار نہ کرے تو عند اللہ مومن ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مطالبہ کے وقت یعنی موت کے وقت ابو طالب کے پاس کوئی شرعی عذر نہیں تھا اور بلا

عذر شرعی مطالبہ کے وقت اقرار نہ کرنا کفر ہے۔ بندہ عنداللہ بھی کافر ہی قرار پائے گا۔

اقرار لسانی اور اہل سنت وجماعت کے طبقات

اہل سنت وجماعت کا ایک طبقہ صرف تصدیق کو ایمان کہتا ہے اور ایک طبقہ تصدیق واقرار کے مجموعہ کو ایمان کہتا ہے اور ایک طبقہ تصدیق واقرار وعمل کے مجموعہ کو ایمان کہتا ہے۔

(شرح المقاصد: جلد پنجم:ص176-عالم الکتب بیروت)

اہل سنت کے ہر طبقے کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اقرار کا مطالبہ کیا جائے تو اقرار کرنا ضروری ہے۔(شرح المقاصد: جلد پنجم:ص179-عالم الکتب بیروت)

ابوطالب نے مطالبہ کے وقت اقرار نہ کیا،لہٰذا اہل سنت وجماعت ابوطالب کے کفر پر متفق ہیں۔علامہ سید محمد برزنجی نے عدم اقرار کا جو عذر بیان کیا ہے، وہ شرعی عذر نہیں ہے۔

اہل سنت وجماعت کا طبقہ اول

اہل سنت وجماعت کا ایک طبقہ صرف تصدیق شرعی کو ایمان کہتا ہے۔

(1) علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی (۷۲۲ھ-۷۹۲ھ) نے رقم فرمایا:(**واما فی الشرع فاما ان یجعل لفعل القلب فقط-او اللسان فقط-او کلیهما وحدهما-او مع سائر الجوارح-فعلی الاول هو اسم للتصدیق عند الاکثرین-اعنی تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ما علم مجیئه به بالضرورة-و للمعرفة عند الشیعة وجهم والصالحی**)

(شرح المقاصد: جلد پنجم:ص176-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ:لیکن شریعت میں ،پس یا تو (ایمان کو) صرف قلب کا فعل بنایا جائے ،یا صرف زبان کا ،یا صرف ان دونوں (قلب ولسان) کا ،یا تمام جوارح کے ساتھ ،پس پہلی صورت پر ایمان صرف تصدیق کا نام ہے،اکثر (علمائے اہل سنت) کے یہاں ،یعنی حضور

اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس امر میں تصدیق کرنا جس کالا نا بدیہی طور پر معلوم ہو۔

اور شیعہ، جہم بن صفوان سمرقندی (م ۱۲۸ھ) (فرقہ جہمیہ کا بانی) اور (فرقہ قدریہ میں سے) ابوالحسین صالحی کے یہاں ایمان معرفت کا نام ہے۔

اہل سنت و جماعت کا ایک طبقہ صرف تصدیق کو ایمان کہتا ہے اور مطالبہ کے وقت اقرار کو لازم مانتا ہے۔ اگر مطالبہ کے وقت اقرار نہ کیا تو وہ کافر مانا جائے گا۔

(2) علامہ سعدالدین تفتازانی نے رقم فرمایا: ((وأما فی الشرع فاختلف الآراء فی تحقیق الإیمان وفی کونه اسمًا لفعل القلب فقط أو فعل اللسان فقط أو لفعلهما جمیعا وحدهما أو مع سائر الجوارح وهذه طرق أربعة)

فعلی الأول قد یجعل اسمًا للتصدیق أعنی تصدیق النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فیما علم مجیئه به بالضرورة أی فیما اشتهر کونه من الدین بحیث یعلمه العامة من غیر افتقار إلیٰ نظر واستدلال کوحدة الصانع ووجوب الصلاة وحرمة الخمر ونحو ذلک ویکفی الإجمال فیما یلاحظ إجمالا ویشترط التفصیل فیما یلاحظ تفصیلا حتی لو لم یصدق بوجوب الصلاة عند السؤال عنه وبحرمة الخمر عند السؤال عنه کان کافرا—و هذا هو المشهور وعلیه الجمهور.

<u>وقد یجعل اسمًا للمعرفة أعنی معرفة ما ذکرنا ویتناول معرفة اللّٰه تعالی بوحدانیته وسائر ما یلیق به وتنزهه عما لا یلیق به—وهو مذهب الشیعة وجهم بن صفوان وأبی الحسین الصالحی من القدریة</u>)

(شرح المقاصد: جلد پنجم: ص 177 - عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: لیکن شریعت میں ایمان کی تحقیق میں رائیں مختلف ہیں اور ایمان کے صرف فعل قلب ہونے یا فقط فعل زبان ہونے یا محض ان دونوں (قلب ولسان) کا فعل ہونے یا

تمام اعضائے جوارح کے ساتھ فعل قلب ولسان ہونے میں رائیں مختلف ہیں، پس یہ چار طریقے ہیں۔

پس طریق اول پر تصدیق کا نام ایمان بتایا جاتا ہے، یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس امر میں تصدیق کرنا جس کا لانا بداہۃً معلوم ہو، یعنی اس امر میں تصدیق جس کا دین سے ہونا مشتہر ہو کہ عوام مسلمین بھی نظر واستدلال کی حاجت کے بغیر اس کا یقین کر لیں، جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نماز کی فرضیت اور شراب کی حرمت وغیرہ اور جس کا اجمالی علم ہو، اس میں اجمالی تصدیق کافی ہے اور تفصیلی تصدیق کی شرط اس میں ہے جس کا تفصیلی علم ہو، یہاں تک کہ اگر فرضیت نماز کے بارے میں سوال ہونے کے وقت اس کی فرضیت کی (زبانی) تصدیق نہ کرے اور حرمت شراب کے بارے میں سوال ہونے کے وقت حرمت شراب کی (لسانی) تصدیق نہ کرے تو کافر ہوگا اور (ایمان کا) یہی معنی مشہور ہے اور اسی پر جمہور اہل اسلام ہیں اور کبھی معرفت کا نام ایمان بتایا جاتا ہے، یعنی ہمارے ذکر کردہ امر کی معرفت اور یہ معنی اللہ تعالیٰ عزوجل کی وحدانیت کی معرفت اور اس کی صفات کمالیہ کی معرفت اور صفات غیر مناسبہ سے تنزیہ کی معرفت کو شامل ہے اور یہ شیعہ اور، جہم بن صفوان اور فرقہ قدریہ میں سے ابوالحسن صالحی کا مذہب ہے۔

اہل سنت وجماعت کا طبقہ دوم

اہل سنت وجماعت کا ایک طبقہ تصدیق شرعی اور اقرار کے مجموعہ کو ایمان کہتا ہے۔

اگر تصدیق کے ساتھ اقرار باللسان نہ ہو تو یہ طبقہ اسے مومن نہیں مانتا ہے۔

(1) علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا: (وعلی الثالث لمجموع التصدیق والاقرار - وعلیہ اکثر المحققین) (شرح المقاصد: جلد پنجم: ص 176 - عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: معنی سوم کی بنیاد پر ایمان تصدیق واقرار کا مجموعہ ہے اور اسی پر اکثر محققین ہیں۔

(2) علامہ تفتازانی نے رقم فرمایا: (وعلی الثالث وھو ان یکون اسمًا لفعل

القلب واللسان فهو اسم للتصديق المذكور مع الاقرار-وعليه كثير من المحققين-وهو المحكى عن ابى حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ-وكثيرًا مع يقع فى عبارات النحارير من العلماء مكان التصديق تارة المعرفة وتارة العلم وتارة الاعتقاد-فعلىٰ هذا من صدق بقلبه ولم يتفق له الاقرار باللسان فى عمره مرة-لا يكون مؤمنا عند اللّٰه تعالىٰ-ولا يستحق دخول الجنة ولا النجاة من الخلود فى النار-بخلاف ما اذا جعل اسمًا للتصديق فقط-فان الاقرار حينئذ شرط لاجراء الاحكام فى الدنيا من الصلاة عليه وخلفه والدفن فى مقابر المسلمين والمطالبة بالعشور والزكاة ونحو ذلک-و لا يخفى ان الاقرار بهذا الغرض لا بد ان يكون علىٰ وجه الاعلان والاظهار على الامام وغيره من اهل الاسلام-بخلاف ما اذا كان لاتمام الايمان فانه يكفى مجرد التكلم وان لم يظهر علىٰ غيره-ثم الخلاف فى ما اذا كان قادرًا وترک التكلم لا علىٰ وجه الاباء-اذ العاجز كالاخرس مومن وفاقًا) (شرح المقاصد: جلد پنجم: ص178-179-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: تیسری صورت پر اور وہ یہ ہے کہ ایمان قلب اور زبان کے فعل کا نام ہے تو وہ اقرار کے ساتھ مذکورہ تصدیق ہے اور اس پر بہت سے محققین ہیں اور یہی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور بہت سے ماہر علمائے کرام کی عبارتوں میں تصدیق کی جگہ کبھی معرفت، کبھی علم اور کبھی اعتقاد کا استعمال ہوتا ہے، پس اس بنیاد پر جس نے اپنے دل سے تصدیق کی اور اس کو اپنی عمر میں ایک بار بھی زبان سے اقرار کا موقع نہ ملا تو وہ عنداللہ مومن نہیں ہوگا اور نہ وہ جنت میں داخل ہونے کا مستحق ہوگا اور نہ وہ جہنم میں ہمیشگی سے نجات کا مستحق ہوگا، برخلاف اس کے کہ جب ایمان صرف تصدیق کا نام بنایا جائے، کیوں کہ اقرار اس وقت دنیاوی احکام جاری کرنے کی شرط ہوگی، یعنی اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس

کے پیچھے نماز پڑھنا اور (اس کو) مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا اور (اس سے) عشر وزکات وغیرہ کا مطالبہ کرنا اور مخفی نہیں کہ اس مقصد کے لیے اقرار کرنا ضروری ہے کہ امام مسلمین اور اس کے علاوہ مسلمانوں پر اعلان واظہار کے طور پر ہو۔

برخلاف اس کے جب اقرار ایمان کو مکمل کرنے کے لیے ہوتو صرف بولنا کافی ہے، اگر چہ اس کے غیر پر ظاہر نہ ہو، پھر اختلاف اس کے بارے میں ہے جو بولنے پر قادر ہو، اور انکار کے طریقے پر ترک تکلم نہ کیا ہو، اس لیے کہ بولنے سے عاجز جیسے گونگا بالاتفاق مومن ہے۔

(3) امام ابوزکریا نووی شافعی (۶۳۱ھ-۶۷۶ھ) نے رقم فرمایا: (**واتفق أهل السنة من المحدثين والفقهاء والمتكلمين علىٰ أن المؤمن الذى يحكم بأنه من أهل القبلة ولا يخلد فى النار لا يكون الا من اعتقد بقلبه دين الاسلام اعتقادا جازما خاليا من الشكوك ونطق بالشهادتين فان اقتصر علىٰ أحداهما لم يكن من أهل القبلة أصلًا الا اذا عجز عن النطق لخلل فى لسانه أو لعدم التمكن منه لمعاجلة المنية أو لغير ذلک فانه يكون مؤمنًا**)

(شرح النووی علیٰ صحیح مسلم: جلداول: ص149 - مکتبہ شاملہ)

ترجمہ: اہل سنت و جماعت کے محدثین وفقہا ومتکلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ مومن جس کے بارے میں حکم کیا جائے کہ وہ اہل قبلہ میں سے ہے اور جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا، وہ ایسا شخص ہوگا جو اپنے دل سے دین اسلام کا اعتقاد جازم رکھے جو شکوک سے خالی ہو، اور شہادتین کو بولے، پس اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اقتصار کرے تو وہ بالکل اہل قبلہ سے نہیں ہوگا، مگر جب اپنی زبان میں کسی خلل کی وجہ سے وہ بولنے سے عاجز ہو، یا جلد موت ہو جانے یا اس کے علاوہ کسی وجہ سے نطق پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے تو یہ مومن ہوگا۔

اہل سنت و جماعت کا طبقہ سوم

اہل سنت و جماعت کا ایک طبقہ تصدیق واقرار اور عمل کے مجموعہ کو ایمان بتاتا ہے۔

علامہ سعدالدین تفتازانی (۷۲۲ھ-۷۹۲ھ) نے رقم فرمایا: (واما علی الرابع وهو ان يكون الايمان اسمًا لفعل القلب واللسان والجوارح علٰی ما يقال انه اقرار باللسان وتصديق بالجنان وعمل بالاركان—فقد جعل تارك العمل خارجًا عن الايمان داخلًا فی الكفر—واليه ذهب الخوارج.

او غير داخل فيه—وهو القول بالمنزلة بين المنزلتين—واليه ذهب المعتزلة—الا انهم اختلفوا فی الاعمال—فعند ابی علی وابی هاشم فعل الواجبات وترك المحظورات—وعند ابی الهذيل وعبد الجبار فعل الطاعات واجبة كانت او مندوبة—الا ان الخروج عن الايمان وحرمان دخول الجنة بترك المندوب مما لا ينبغی ان يكون مذهبًا لعاقل.

وقد لا يجعل تارك العمل خارجا عن الايمان—بل يقطع بدخول الجنة وعدم خلوده فی النار—وهو مذهب اكثر السلف وجميع ائمة الحديث وكثير من المتكلمين والمحكی عن مالك والشافعی والاوزاعی.

وعليه اشكال ظاهر—وهو انه كيف لا ينتفی الشیء اعنی الايمان مع انتفاء ركنه اعنی الاعمال—وكيف يدخل الجنة من لم يتصف بما جعل اسمًا للايمان؟ وجوابه ان الايمان يطلق علٰی ما هو الاصل والاساس فی دخول الجنة—وهو التصديق وحده او مع الاقرار—وعلٰی ما هو الكامل المنجی بلا خلاف—وهو التصديق مع الاقرار والعمل)

(شرح المقاصد: جلد پنجم: ص178-179-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: لیکن چوتھی صورت پر اور وہ یہ ہے کہ ایمان قلب وزبان اور جوارح کے فعل کا نام ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ایمان اقرار باللسان اور تصدیق بالجنان اور عمل بالارکان ہے۔ پس عمل ترک کرنے والے کو ایمان سے خارج اور کفر میں داخل بنایا گیا ہے اور یہی

خوارج کا مذہب ہے، یا کفر میں داخل نہیں ہے اور یہ دو منزلوں (کفر وایمان) کے درمیان منزل کا قول کرنا ہے اور یہی معتزلہ کا مذہب ہے، مگر معتزلہ کے درمیان اعمال کے بارے میں اختلاف ہے، پس ابوعلی جبائی (۲۳۵ھ-۳۰۳ھ) اور ابو ہاشم معتزلی بن ابوعلی جبائی کے یہاں واجبات کا فعل اور ممنوعات کا ترک (مراد) ہے اور ابو ہذیل معتزلی (۱۳۵ھ-۲۳۵ھ) اور عبدالجبار معتزلی (۳۵۹ھ-۴۱۵ھ) کے یہاں طاعات کا فعل (مراد) ہے، خواہ طاعات واجب ہوں یا مستحب، مگر ترک مستحب کے سبب ایمان سے خروج اور دخول جنت کا حرام ہونا اس میں سے ہے کہ مناسب نہیں کہ یہ کسی عاقل کا مذہب ہو۔

اور کبھی عمل ترک کرنے والے کو ایمان سے خارج نہیں بنایا جاتا ہے، بلکہ دخول جنت اور اس کے جہنم میں ہمیشہ نہ رہنے کا یقین کیا جاتا ہے اور یہی اکثر اسلاف کرام، تمام ائمہ حدیث اور بہت سے متکلمین کا مذہب ہے اور حضرت امام مالک (۹۳ھ-۱۷۹ھ)، حضرت امام شافعی (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ) وحضرت امام عبدالرحمٰن اوزاعی (م ۱۵۷ھ) سے مروی ہے۔

اور اس پر ایک اعتراض ظاہر ہے اور وہ یہ کہ شئ یعنی ایمان اس کے رکن یعنی اعمال کے ختم ہوجانے سے کیسے ختم نہیں ہوگا اور وہ شخص کیسے جنت میں داخل ہوگا جو اس سے متصف نہ ہو جس کو ایمان کا نام بنایا گیا ہو؟ اور اس کا جواب ہے کہ ایمان کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو دخول جنت کی اصل اور بنیاد ہو، اور ایمان کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو بلا اختلاف کامل نجات دینے والا ہو، اور وہ تصدیق ہے اقرار وعمل کے ساتھ۔

تیسرا طبقہ جو عمل کو ایمان میں داخل مانتا ہے۔ اس کی مراد یہ ہے کہ جو ایمان آخرت میں کامل نجات کا سبب بننے والا ہے، وہ عمل کے ساتھ مقرون ایمان ہے، کیوں کہ گنہ گار مومن کی کامل نجات کا یقین نہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے اور وہ جہنم سے بچ جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ گناہوں کے سبب اس کو کچھ مدت کے لیے جہنم جانا پڑے۔

الحاصل ایمان حقیقی سے متعلق اہل سنت وجماعت کا دو ہی طبقہ ہے، اول ودوم۔

بوقت مطالبہ عدم اقرار کفر عنادی

اہل سنت و جماعت کا ایک طبقہ صرف تصدیق کو ایمان کہتا ہے اور دوسرا طبقہ تصدیق واقرار کے مجموعہ کو ایمان کہتا ہے، تیسرا طبقہ تصدیق واقرار وعمل کے مجموعہ کو ایمان کہتا ہے، لیکن ہر طبقہ اس بات پر متفق ہے کہ اگر مطالبہ کے وقت اقرار نہ کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔

ابو طالب نے مطالبہ کے وقت اقرار نہ کیا اور مطالبہ کے وقت یعنی بوقت موت کوئی عذر شرعی بھی نہ تھا۔ ہاں، یہ ضرور سچ ہے کہ ابو طالب کو معلوم تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، لیکن ان کو اذعان وقبول اور تصدیق شرعی حاصل نہ تھی۔

ارشاد الٰہی ہے: (وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا)

(سورہ نمل: آیت 14)

ترجمہ: اور ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا، ظلم اور تکبر سے۔

(کنز الایمان)

محض قلبی معرفت ایمان کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ مطالبہ کے وقت اقرار لازم ہے۔

(1) علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی (۷۲۲ھ-۷۹۲ھ) نے رقم فرمایا:

(والمصر علی عدم الاقرار مع المطالبة به کافر وفاقًا لکون ذلک من امارات عدم التصدیق-ولهذا اطبقوا علی کفر ابی طالب)

(شرح المقاصد: جلد پنجم: ص179-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ: اقرار کے مطالبہ کے وقت عدم اقرار پر اصرار کرنے والا بالاتفاق کافر ہے، اس (عدم اقرار پر اصرار) کے عدم تصدیق کی علامتوں میں سے ہونے کی وجہ سے، اسی لیے علمائے اسلام نے ابو طالب کے کفر پر اتفاق کیا۔

اہل سنت و جماعت کا اختلاف اس شخص کے بارے میں ہے جو اقرار پر قادر ہو، اور

اقرار نہ کرے، لیکن اگر کوئی اقرار پر قادر نہ ہو تو جیسے گونگا تو یہ بالاتفاق مومن ہے۔ جو اقرار پر قادر ہو، اور مطالبہ کے وقت اقرار کا انکار کرے تو ایسا شخص بالاتفاق کافر ہے۔

(2) امام ابن حجر ہیتمی مکی شافعی (۹۰۹ھ-۹۷۴ھ) نے رقم فرمایا:

(واتفق القائلون بان الاقرار لا یعتبر علٰی اشتراط ترک العناد بان یعتقد انہ متی طُوُلِبَ بہ اتی بہ-فان طولب بہ فامتنع عنادًا کفر-کما لو سجد لصنم-او استخف بنبی او بالکعبۃ ونحو ذلک من المکفرات)

(شرح الاربعین:ص153-دارالمنہاج سعودیہ عربیہ)

ترجمہ: اس بات کے قائلین کہ (ایمان میں) اقرار معتبر نہیں ہے، وہ ترک عناد کے شرط ہونے پر متفق ہیں کہ وہ شخص اعتقاد رکھے جب اس سے اقرار کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اسے ادا کرے، پس اگر اس سے طلب کیا گیا تو وہ عناد کے طور پر باز رہا تو وہ کافر ہے، جیسا کہ کسی بت کو سجدہ کیا یا کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا کعبہ مقدسہ کی بے ادبی کرے اور اس جیسے مکفرات۔

(3) محدث شہیر ملا علی قاری حنفی (۹۳۰ھ-۱۰۱۴ھ) نے رقم فرمایا:

(ان القائلین بعدم اعتبار الاقرار اتفقوا علٰی ان یعتقد بانہ متی طولب بہ اتی بہ-فان طولب بہ فلم یقر فھو کفر عناد-وھذا معنی ما قالوا: ترک العناد شرط-وفسروہ بہ کما حققہ ابن الھمام)

(منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر:ص390-دارالبشائر الاسلامیہ بیروت)

ترجمہ: اس بات کے قائلین کہ (ایمان میں) اقرار معتبر نہیں ہے، وہ اس پر متفق ہیں کہ وہ شخص اعتقاد رکھے جب اس سے اقرار کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اسے ادا کرے، پس اگر اس سے طلب کیا گیا تو وہ اقرار نہ کیا تو یہ کفر عناد ہے اور اس کا یہی معنی ہے جو علما نے فرمایا: ترک عناد شرط ہے اور علما نے اسی کے ذریعہ ترک عناد کی تفسیر کی جیسا کہ محقق امام ابن ہمام حنفی نے اس کی تحقیق کی (کہ مطالبہ کے وقت اقرار نہ کرنا عناد ہے)

(4) محقق علی الاطلاق امام کمال ابن ہمام حنفی (۷۹۰ھ-۸۶۱ھ) نے رقم فرمایا:

(واتفق القائلون بعدم اعتبار الاقرار علٰی)انه یلزم المصدق(ان یعتقد انه متی طولب به اتی به-فان طولب به فلم یقر فهو)ای کفه عن الاقرار(کفر عناد-وهذا ما قالوا ان ترک العناد شرط-وفسروه به)ای فسروا ترک العناد بان یعتقد انه متی طولب بالاقرار اتی به)

(المسایرہ مع المسامرہ: جلد دوم: ص182 - مطبعۃ السعادۃ مصر)

ترجمہ: اس بات کے قائلین کہ (ایمان میں) اقرار معتبر نہیں ہے، اس پر متفق ہیں کہ مصدق اعتقاد رکھے جب اس سے اقرار کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اسے ادا کرے، پس اگر اس سے طلب کیا گیا تو یہ یعنی اقرار سے باز رہنا کفر عناد ہے اور یہی وہ ہے جو علما نے فرمایا کہ ترک عناد شرط ہے اور علما نے اسی کے ذریعہ ترک عناد کی تفسیر کی، یعنی علما نے ترک عناد کی تفسیر کی کہ وہ اعتقاد رکھے کہ جب اس سے اقرار کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اسے ادا کرے۔

(5) سیف اللہ المسلول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی (۱۲۱۳ھ-۱۲۸۹ھ) نے رقم فرمایا: **(واتفقوا علی انه یلزم للصدق ان یعتقد انه متی طولب به اتی بالاقرار-فان طولب به ولم یقر فهو کفر عناد-وقالوا: ترک العنادشرط)**

(المعتقد المنتقد: ص194 - المجمع الاسلامی مبارک پور)

ترجمہ: وہ (تصدیق کو ایمان کہنے والے) اس پر متفق ہیں کہ تصدیق کرنے والا اعتقاد رکھے جب اس سے اقرار کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اقرار کرے، پس اگر اس سے اقرار طلب کیا گیا اور وہ اقرار نہ کرے تو یہ کفر عناد ہے اور علما نے فرمایا: ترک عناد شرط ہے۔

کفر عنادی کا معنی کیا ہے؟

منقولہ بالا عبارات سے واضح ہے کہ کفر عنادی کا معنی یہ ہے کہ جب بندہ سے اقرار کا

مطالبہ کیا جائے تو وہ اقرار نہ کرے۔ابوطالب سے موت کے وقت حضور اقدس سید دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اقرار کا مطالبہ فرمایا تھا۔اس وقت ابوطالب کے پاس کوئی عذر شرعی نہیں تھا، بلکہ کفار قریش ان کو دین اسلام کو قبول کرنے سے منع کررہے تھے اور حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقرار ایمان کا مطالبہ فرما رہے تھے۔انجام کار ابوطالب نے کہا کہ وہ آبائی دین پر ہیں اور ایمان کو قبول نہ کیا اور اسی پر ان کی موت ہوگئی۔

ایسا نہیں کہ کفار قریش تلوار لیے کھڑے تھے کہ اگر ابوطالب نے ایمان قبول کیا تو اسے قتل کردیں گے، یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے، بلکہ کفار قریش محض کفر کی ترغیب دے رہے تھے اور ابوطالب نے کافروں کی بات مان لی اور اللہ تعالیٰ کے مبعوث فرمودہ رسول ونبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات کو قبول نہ کی، پھر کیسے ان کو مومن قرار دیا جائے۔

علامہ برزنجی کا عذر کا دعویٰ محض دعویٰ ہے۔موت کے وقت کوئی عذر نہ تھا اور اقرار کا مطالبہ موت کے وقت ہی کیا گیا تھا، نیز ابوطالب کو تصدیق شرعی بھی حاصل نہیں تھی۔

بوقت مطالبہ اقرار نہ کرنا علامت کفر

(1)اہل نظر متکلم وصاحب نظر فقیہ امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا:

''شرح مقاصد وشرح تحریر پھر ردالمحتار حاشیہ درمختار باب المرتدین میں ہے:

(المصر علیٰ عدم الاقرار مع المطالبة به کافر وفاقًا لکون ذلک من امارات عدم التصدیق-ولهذا اطبقوا علیٰ کفر ابی طالب) جس سے اقرارِ اسلام کا مطالبہ کیا جائے اور وہ اقرار نہ کرنے پر اصرار رکھے، بالاتفاق کافر ہے کہ یہ دل میں تصدیق نہ ہونے کی علامت ہے۔اسی واسطے تمام علما نے کفرِ ابی طالب پر اجماع کیا ہے۔

مولانا علی قاری شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں:**(اذا امر بها وامتنع وابیٰ عنها کابی طالب فهو کافر بالاجماع)** جسے شہادت کلمہ اسلام کا حکم دیا جائے اور وہ

باز رہے اور ادائے شہادت سے انکار کرے جیسے ابو طالب تو وہ بالا جماع کافر ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اُس شخص کے بارے میں جو قلب سے اعتقاد رکھتا تھا اور بغیر کسی عذر و مانع کے زبان سے اقرار کی نوبت نہ آئی، علما کا اختلاف کہ یہ اعتقاد بے اقرار اُسے آخرت میں نافع ہوگا یا نہیں، نقل کر کے فرماتے ہیں: (**قلت: لکن بشرط عدم طلب الاقرار منه فان ابٰی بعد ذٰلک فکافر اجماعًا لقضیة ابی طالب**)

یعنی یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ اس سے اقرار طلب نہ کیا گیا ہو، اور اگر بعد طلب باز رہے جب تو بالا جماع کافر ہے۔ ابو طالب کا واقعہ اس پر دلیل ہے۔

اُسی کی فصل ثانی باب اشراط الساعۃ میں ہے: (**ابو طالب لم یؤمن عند اهل السنة**) اہل سنت کے نزدیک ابو طالب مسلمان نہیں۔

(شرح المطالب: فتاویٰ رضویہ: جلد 29: ص 701-702 - جامعہ نظامیہ لاہور)

(2) علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی (۱۱۹۸ھ-۱۲۵۲ھ) نے رقم فرمایا:

(**وَالْمُصِرُّ عَلَى عَدَمِ الْإِقْرَارِ مَعَ الْمُطَالَبَةِ بِهِ كَافِرٌ وِفَاقًا لِكَوْنِ ذَلِكَ مِنْ أَمَارَاتِ عَدَمِ التَّصْدِيقِ وَلِهَذَا أَطْبَقُوا عَلَى كُفْرِ أَبِي طَالِبٍ**)

(ردالمختار: جلد چہارم: باب المرتد: ص 406 - مکتبہ شاملہ)

ترجمہ: اقرار اسلام کے مطالبہ کے باوجود عدم اقرار پر اصرار کرنے والا بالاتفاق کافر ہے، کیوں کہ یہ (مطالبہ کے باوجود اقرار نہ کرنا) عدم تصدیق کی علامتوں میں سے ہے، اسی لیے علمائے کرام نے ابو طالب کے کفر پر اجماع کیا۔

(3) علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی (۷۲۲ھ-۷۹۲ھ) نے رقم فرمایا:

(**والمصر علٰی عدم الإقرار مع المطالبة به كافر وفاقًا لكون ذلك من إمارات عدم التصديق—ولهذا أطبقوا علٰى كفر أبی طالب—وإن كابرت الروافض غير متأملين فی أنه كان أشهر أعمام النبی عليه الصلاة والسلام**

وأكثرهم اهتماما لشأنه وأوفرهم حرصًا من النبى عليه الصلاة والسلام علٰى إيمانه-فكيف اشتهر إيمان حمزة والعباس رضى اللّٰه عنهما وشاع علٰى رؤس المنابر فيما بين الناس-وورد فى إيمانهما الأحاديث المشهورة وكثر منهما فى الإسلام المساعى المشكورة دون أبى طالب)

(شرح المقاصد: جلد پنجم:ص179-عالم الکتب بیروت)

ترجمہ:اقرار اسلام کے مطالبہ کے باوجود عدم اقرار پر اصرار کرنے والا بالاتفاق کافر ہے، کیوں کہ یہ(مطالبہ کے باوجود اقرار نہ کرنا) عدم تصدیق کی علامتوں میں سے ہے، اسی لیے علمائے کرام نے ابوطالب کے کفر پر اجماع کیا۔

اگر چہ روافض نے مکابرہ (کے طور پر کفر ابوطالب کا انکار) کیا،اس بارے میں بلاغور کیے کہ ابوطالب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشہور چچوں میں سے تھے اوران چچوں میں سب سے زیادہ حضور اقدس شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رتبے کالحاظ کرنے والے تھے اور حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کوان کے ایمان کی تمنا دیگر اعمام کی بہ نسبت زیادہ تھی، پس کیسے حضرت حمزہ وحضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایمان مشہور ہو گیا اور لوگوں کے سامنے منبروں پر شائع ومشتہر ہو گیا اوران دونوں حضرات کے ایمان کے بارے میں احادیث مشہورہ وارد ہوئیں اوران دونوں حضرات کی جانب سے اسلام کے حق میں قابل اجر وثواب کوششوں کی کثرت ہوئی،ابوطالب کے برخلاف۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچوں میں سے حضرت حمزہ وعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر خیر جمعہ وعیدین کے خطبوں میں لوگوں کے مجمع عام میں منبروں پر ہوتا ہے، کیوں کہ یہ حضرات مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ابوطالب کا ایمان بھی ثابت ہوتا تو ضرور ذکر خیر ہوتا، نیز حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دیگر اعمام کی بہ نسبت ابوطالب کے ایمان کی زیادہ تمنا رکھتے تھے، کیوں کہ حضرت عبد المطلب کے بعد ابوطالب نے ہی حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کفالت کی اور ابوطالب کی نصرت وحمایت وخیر خواہی واعانت دیگر اعمام کی بہ نسبت زیادہ تھی ۔ ایمان ثابت ہوتا تو ابوطالب کا شمار بلند رتبہ صحابہ کرام میں ہوتا ۔

شرح المطالب (ص658) میں ہے: ''کاش یہ افعال واقوال اُن سے حالتِ اسلام میں صادر ہوتے تو سیّدنا عباس ، بلکہ ظاہراً سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی افضل قرار پاتے اور افضل الاعمام حضور افضل الانام علیہ وعلیٰ آلہ وافضل الصلوٰۃ والسلام کہلائے جاتے'' ۔

بلاعذر شرعی اقرار نہ کرنا کفرعنادی

علامہ برزنجی نے کفرعنادی کو عناد وانکار اور اسلام کی ناپسندیدگی کے سبب واقع ہونے والے انکار میں منحصر کردیا، حالاں کہ مطالبہ کے وقت بلا عذر شرعی اقرار سے باز رہنا کفرعنادی ہے، خواہ وعناد کے سبب ہو، یا تکبر کے سبب ہو۔ کسی غیر شرعی عذر کے سبب انکار بھی کفرعنادی میں شامل ہے ۔ ابوطالب نے اخیر وقت میں محض فطری غیرت وحمیت کے سبب اقرار نہ کیا کہ لوگ طعنہ دیں گے، اگر چہ ان کو اسلام کی حقانیت کا یقین حاصل تھا ۔

ارشاد الٰہی ہے: (وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا)

(سورۂ نمل: آیت 14)

ترجمہ: اور ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا ظلم اور تکبر سے ۔

(کنزالایمان)

منقولہ بالا آیت مقدسہ میں تکبر کے سبب انکار کرنے والے کو بھی کافر کہا گیا ۔ یہ لوگ عناد کے سبب اسلام کے منکر نہیں تھے، بلکہ تکبر کے سبب اسلام کو قبول نہ کرتے تھے، یا اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر مذہب حق یعنی اسلام کو قبول کرنے سے شرماتے تھے ۔

(1) اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے کفرعنادی سے متعلق رقم فرمایا:

''نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باب میں اُن سے بعض وصایا ضرور منقول، مگر جب

اوروں کووصیت ہو،خود جاہلی حمیت ہوتواس سے کیاحصول۔قال اللہ تعالیٰ:(کبر مقتاعند اللّٰہ ان تقولوا ما لا تفعلون)اللہ کوسخت دشمن ہے یہ بات کہ کہواورنہ کرو۔

تندرستی میں بھی یہی برتاؤ تھا کہ اوروں کوترغیب دینااورآپ بچنا،وہی انداز وقت مرگ برتا۔اصابہ میں فرمایا:(وھو امر ابی طالب ولدیه باتباعه فترکه ذلک ھو من جملة العناد وھو ایضًا من حسن نصرته له وذبه عنه ومعاداته قومه بسببه) رہا یہ کہ ابوطالب کااپنے بیٹوں حیدرکرار وجعفرطیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہنا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کروتو خوداس کا ترک کرنا یہ عناد میں سے ہے اور یہ ترغیب پیروی بھی اُن کی اُسی خوبی مددوحمایت اورحضور کے باعث اپنی قوم سے مخالفت ہی میں داخل ہے''۔(شرح المطالب:716-فتاویٰ رضویہ:جلد29-جامعہ نظامیہ لاہور)

(2)محدث بدرالدین عینی حنفی مصری(۷۶۲ھ-۸۵۵ھ)نے رقم فرمایا:(الکفر باللّٰہ أنواع:إنکار وجحود وعناد ونفاق-وھذہ الأربعة من لقی اللّٰہ تعالیٰ بواحد منها لم یغفر له-فالأول:أن یکفر بقلبه ولسانه ولا یعرف ما یذکر له من التوحید کما قال اللّٰہ تعالیٰ:(إن الذین کفروا سواء علیهم أأنذرتهم (البقرة 6)الأیة)أی الذین کفروا بالتوحید وأنکروا معرفته-والثانی:أن یعرف بقلبه ولا یقر بلسانه-وھذا ککفر إبلیس وبلعام وأمیة بن أبی الصلت-و الثالث:أن یعرف بقلبه ویقر بلسانه ویأبی أن یقبل الإیمان بالتوحید ککفر أبی طالب-والرابع:أن یقر بلسانه ویکفر بقلبه ککفر المنافقین)

(عمدۃ القاری شرح البخاری:جلددوم:ص38-مکتبہ شاملہ)

ترجمہ:کفرباللہ کی چندقسمیں ہیں:کفرانکاری،کفرجحودی،کفرعنادی وکفرنفاق اورکفرکی ان چارقسموں میں سے کسی قسم کے ساتھ بندہ دربارالٰہی میں حاضرہوتواس کی بخشش نہیں ہوگی۔

پس قسم اول(کفرانکاری)یہ ہے کہ اپنے قلب وزبان سے انکارکرے اورجوتوحید

اسے بتائی جائے، اس کی معرفت حاصل نہ کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بے شک کافروں کے لیے برابر ہے کہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، یعنی جو لوگ توحید اور اس کی معرفت کے منکر ہیں (ان کا حال یہی ہے)۔

قسم دوم یہ ہے کہ اپنے دل سے معرفت رکھے اور زبان سے اقرار نہ کرے، جیسے ابلیس، بلعم باعورا اور امیہ بن صلت کا کفر۔

قسم سوم یہ ہے کہ اپنے دل سے معرفت رکھے اور اپنی زبان سے اقرار کرے اور توحید پر ایمان لانے کو قبول نہ کرے، جیسے ابوطالب کا کفر۔

قسم چہارم یہ ہے کہ اپنی زبان سے اقرار کرے اور اپنے دل سے انکار کرے، جیسے منافقین کا کفر۔

مذکورہ بالا اقسام اربعہ میں سے ابوطالب کا کفر کفر عنادی ہے کہ دل سے معرفت رکھے اور اپنی زبان سے اقرار کرے، لیکن ایمان نہ لائے، پس یہ بھی کافر ہے اور کفر کی مذکورہ بالا چاروں قسموں میں سے ہر قسم کا مرتکب کافر ہے اور اس کے لیے بخشش و نجات نہیں ہے۔

(3) امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا: '' قاضی حسین بن محمد دیار بکری مالکی مکی کتاب الخمیس میں فرماتے ہیں: کفر چار قسم ہے، کفر انکار و کفر جحود و کفر عناد و کفر نفاق۔

کفر انکار یہ کہ اللہ عزوجل کو نہ دل سے جانے اور نہ زبان سے مانے، جیسے ابلیس و یہود، اور کفر نفاق یہ کہ زبان سے مانے، مگر دل میں نہ جانے۔(**وکفر العناد ان یعرف اللّٰہ بقلبہ ویعترف بلسانہ ولا یدین بہ ککفر ابی طالب حیث یقول:**

ولقدعلمت بان دین محمد

من خیر ادیان البریۃ دینا

لولا الملامۃ اوحذار مسبۃ

لوجدتنی سمحابذاک مبینا

یعنی کفر عناد یہ کہ اللہ تعالیٰ کو دل سے بھی جانے اور زبان سے بھی کہے، مگر تسلیم وگرویدگی سے باز رہے جیسے ابوطالب کا کفر کہ یہ شعر کہے:

واللہ! میں جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین تمام جہان کے دین سے بہتر ہے۔ اگر ملامت یا طعنے سے بچنا نہ ہوتا تو تُو مجھے دیکھتا کہ میں کیسی اہل دلی کے ساتھ صاف صاف اس دین کو قبول کر لیتا۔

امام ممدوح یہ چاروں قسمیں بیان کر کے فرماتے ہیں: (**جمیع ھٰذہ الاصناف سواء فی ان من لقی اللّٰہ تعالٰی بواحد منھا لا یغفرلہ**) یہ سب قسمیں اس حکم میں یکساں ہیں کہ جوان میں سے کسی قسم کا کفر کر کے اللہ عزوجل سے ملے گا، وہ کبھی اسے نہ بخشے گا۔

امام شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس قرافی نے شرح التنقیح، پھر امام قسطلانی نے مواہب میں کفار کی ایک قسم یوں بیان فرمائی:

(من اٰمن بظاھرہ وباطنہ وکفر بعدم الاذعان للفروع کما حکی عن ابی طالب انہ کان یقول: انی لاعلم ان ما یقولہ ابن اخی لحق ولو لا انی اخاف ان تعیرنی نساء قریش لاتبعتہ —وفی شعرہ یقول:

لقد علموا ان ابننا لا مکذب

یقیناً ولا یعزی لقول الا باطل

فھذا تصریح باللسان واعتقاد بالجنان غیرانہ لم یذعن)

یعنی ایک کافر وہ ہے جو قلب سے عارف، زبان سے معترف ہو، مگر اذعان نہ لائے جیسے ابوطالب سے مروی کہ بے شک میں یقیناً جانتا ہوں کہ جو کچھ میرے بھتیجے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) فرماتے ہیں، ضرور حق ہے۔ اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں مجھے عیب لگائیں گی تو ضرور میں اُن کا تابع ہو جاتا اور اپنے ایک شعر میں کہا:

خدا کی قسم کافران قریش خوب جانتے ہیں کہ ہمارے بیٹے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

یقیناً سچے ہیں اور معاذ اللہ کوئی کلمہ خلاف حق کہنا ان کی طرف نسبت نہیں کیا جاتا۔

تو یہ زبان سے تصریح اور دل سے اعتقاد سب کچھ ہے، مگر اذعان نہ ہوا۔

امام ابن اثیر جزری نہایہ، پھر علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں: (**کفر عناد هو ان یعرفه بقلبه ویعترف بلسانه ولا یدین به کابی طالب**) کفر عناد یہ ہے کہ دل سے پہچانے اور زبان سے اقرار کرے، مگر تسلیم وانقیاد سے باز رہے جیسے ابو طالب۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: ''چوں عمِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابو طالب بیمار شد باوجود آں کہ مشرک بود، او را عیادت فرمود ودعوتِ اسلام کرد، ابو طالب قبول نہ کرد: اھ ملخصاً''۔ (جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب بیمار ہو گئے تو ان کے کافر ہونے کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی عیادت کی اور اسلام لانے کی دعوت دی جسے ابو طالب نے قبول نہ کیا۔ت)

شیخ محقق مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں: ''حدیث صحیح اثبات کردہ است برائے ابو طالب کفر را''۔ (حدیثِ صحیح نے کفرِ ابو طالب کو ثابت کر دیا ہے۔ت)

پھر بعد ذکر احادیث فرمایا: ''و در روضۃ الاحباب نیز اخبار موت ابو طالب بر کفر آوردہ: الخ''۔ (روضۃ الاحباب میں بھی ابو طالب کے کفر پر مرنے کی احادیث لائی گئی ہیں: الخ۔ت) (شرح المطالب: ص694-696-فتاویٰ رضویہ: جلد 29-لاہور)

(۴) تاجدار مارہرہ مطہرہ حضرت سید ابو الحسین نوری علیہ الرحمۃ والرضوان نے ابو طالب کے بارے میں رقم فرمایا: ''مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے باپ ابو طالب کافر مرے اور بلحاظ وعار وحمیت باوجود معرفت کے دین اسلام اختیار نہ کیا۔ بخاری ومسلم کی احادیث صحیحہ سے کفر ان کا ثابت ہے، مگر سب کافروں میں عذاب ان کا اہون، از روئے احادیث متفقہ علیہا کے''۔ (العسل المصفی فی عقائد ارباب سنۃ المصطفی: ص28-باہتمام حافظ محمد صدیق)

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ العظیم

خاتمہ

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ واصحابہ اجمعین

گیارہ صدیوں بعد نجات ابوطالب کا قول

عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گیارہ صدیوں تک اہل سنت و جماعت ابوطالب کو مومن نہیں مانتے تھے اور نہ ہی اس کے لیے کامل نجات کے قائل تھے۔ گیارہ صدیوں بعد ایک نیا قول ظہور پذیر ہوا کہ ابوطالب باطنی مومن ہے اور اس کے لیے کامل نجات ہے، حالاں کہ یہ قول اہل سنت و جماعت کے اجماعی واتفاقی نظریہ کے خلاف ہے۔

ایمان ابوطالب کے قائلین اسی طرح شرعی دلائل کی تحریف کرتے ہیں جیسے تفضیل مرتضوی کے قائلین دلائل شرعیہ کی غلط تاویل کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا مقصد اتباع شرع ہوتا تو ضرور یہ لوگ اجماعی مسئلہ کو قبول کرتے اور اختلاف سے گریز کرتے۔

سوئے اتفاق بعض اہل علم وفضل کی زبان وقلم سے بھی غیر محتاط اقوال کا ظہور ہو جاتا ہے اور ایسے اقوال کج فکروں کے لیے آزمائش بن جاتے ہیں۔ وہ ان اقوال کے سہارے اپنے نفس کی پیروی میں مبتلا رہتے ہیں اور اتباع شریعت کی جانب متوجہ نہیں ہو پاتے ہیں۔

''اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب'' میں منقول متعدد برزنجی نظریات پر بحث رسالہ حاضرہ میں رقم کی جا چکی ہے اور بعض نظریات پر بحث باقی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کسی رسالہ میں ان نظریات پر بھی بحث مرقوم ہوگی۔ امت مسلمہ اجماعی عقائد ومسائل کی مخالفت سے پرہیز کرے۔ اسی میں دنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔ اگر کسی نے اجماع سے لاعلمی کے سبب خلاف اجماع کوئی بات کہہ دی تو اس کی پیروی نہیں کی جا سکتی ہے اور کسی صحیح العقیدہ سنی سے متعلق یہ بدگمانی نہیں کی جا سکتی ہے کہ جان بوجھ کر اس نے اجماع کی مخالفت کی ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ العظیم

مؤلف کے کلامی وفقہی رسائل وکتب

(21) تقدیس الوکیل اور علامہ بابصیل (تنقیص نبوی کفر ہے یا زندیقیت؟)

(22) گمراہ محض کا ذبیحہ حلال (بدمذہبوں کے ذبیحہ کے احکام)

(23) وہابیوں سے نکاح ونکاح خوانی (وہابیوں سے نکاح کرنے، وہابیوں سے نکاح پڑھوانے اور وہابیوں و دیوبندیوں کو زکات دینے کے شرعی احکام کا بیان)

(24) باب اعتقادیات کے جدید مغالطے (مسئلہ تکفیر سے متعلق جدید مغالطے)

(25) کفر کلامی اور عدم فہم (ایک وائرل ویڈیو کے مشمولات پر تبصرہ)

(26) جدید عقائد ونظریات (قادیانیوں و دیوبندیوں سے متعلق غلط نظریات کا رد)

(27) حق پرستی اور نفس پرستی (غلط اقوال کی باطل تاویلات کا رد وابطال)

(28) جدید اعتقادی مغالطے (باب اعتقادیات کے جدید مغالطّوں کے جوابات)

(29) علامہ عبد الباری فرنگی محلی کی توبہ (اختلاف، توبہ اور چار توبہ نامہ کا تذکرہ)

(30) بدمذہبوں سے میل جول (بدمذہبوں سے ربط وتعلق وسیاسی اتحاد کے احکام)

(31) کفریہ عبارتوں کی خبر اور عدم تکفیر (قادیانی وعناصر اربعہ کی عبارتوں کی خبر وعدم تکفیر)

(32) سید احمد رائے بریلوی کا شرعی حکم (رائے بریلوی کی تکفیر فقہی کی بحث)

(33) سکوت دہلوی کا خیالی دعویٰ (اسماعیل دہلوی کے فرضی سکوت کا رد وابطال)

(34) تکفیر فقہی میں من شک کا استعمال (تکفیر فقہی میں من شک کے استعمال کے شواہد)

(35) حقانیت کی نشانیاں (اہل سنت وجماعت کی حقانیت کی علامتیں اور نشانیاں)

(36) الاضافات الجیدۃ علی الصوارم الہندیہ (حسام الحرمین کی جدید تصدیقات)

(37) ضروریات اہل سنت اور فقہائے احناف (انکار پر تکفیر فقہی کا حکم)

(38) قطعیات اربعہ اور ظنیات (قطعیات وظنیات اور اجماعی عقائد کی تشریح)

(39) کفر فقہی: اقسام واحکام (کفر فقہی کے اقسام واحکام کا تفصیلی بیان)

(40) عبارات شارح بخاری (فتاویٰ ومقالات کی عبارتوں کی تشریحات)

(62) قرآن وحدیث اورضروریات دین (ضروری دینی کی دلیل: قرآن وحدیث کا بیان)

(63) عقل سلیم اورضروریات دین (ضروری دینی کی دلیل: عقل سلیم کا بیان)

(64) علم عقائد اورفن کلام: تعلیم اورضرورت (علم عقائد وکلام کی ضرورت کا بیان)

(65) تخصص فی العقائد: نصاب ونظام (تخصص فی العقائد وعلم کلام کورس کی تفصیل)

(66) تاویل قریب اورتاویل بعید (تاویل قریب، تاویل بعید وتاویل متعذر کا بیان)

(67) ضروریات اہل سنت اوراجماعی عقائد (اجماعی عقائد کا بیان)

(68) تقلید حقیقی اورتقلید عرفی (ائمہ مجتہدین کی تقلید عرفی کا بیان اورغیر مقلدین کا رد)

(69) مصباح المصابیح فی احکام التراویح (بیس رکعت تراویح کے دلائل)

(70) عمان اعلامیہ حقائق کے اجالے میں (عمان اعلامیہ کے نظریات کا ردوابطال)

(71) اہداء ثواب الخیرات الی الاحیاء والاموت (ایصال ثواب کے جواز کی بحث)

(72) شب میلاد کی افضلیت (شب ولادت اقدس کی افضلیت کی بحث)

(73) امواج البحر علیٰ اصحاب الصدر (غیر مقلدوں کے چند فقہی مسائل کا رد)

(74) قانون شریعت شافعی (فقہ شافعی کے روزہ، نماز، حج وزکات کے مسائل)

(75) السواد الاعظم من عہد الرسالۃ الیٰ قرب القیامہ (اہل سنت کی حقانیت کی علامات)

(76) احادیث وآثار اورمجتہدین اسلام (اذا صح الحدیث فہو مذہبی کی تشریح)

(77) سلفیوں کے اسلاف وائمہ (غیر مقلدین کے مذہبی پیشواؤں کا تذکرہ)

(78) کشف والہام اورتقلید مجتہدین (کشف والہام کے شرعی دلیل نہ ہونے کا بیان)

(79) گمراہ سے نکاح جائز نہیں (گمراہ سے نکاح کے ناجائز ہونے کا بیان)

(80) تعلیم دین اوراطفال مسلمین (دینی تعلیم کی ترغیب اورشرعی احکام کا بیان)

(81) مذاہب اربعہ اورمرجوح اقوال (مرجوح قول پرعمل نہ کرنے کے حکم کا بیان)

(82) ولایت واجتہاد: وہبی یا کسبی؟ (درجہ اجتہاد کے مثل وہبی ہونے کا بیان)

(83) تلخیص رسائل رضویہ (اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے تین رسائل کی تلخیص)
(84) القول السدید فی الاجتہاد والتقلید (اجتہاد وتقلید سے متعلق تفصیلی مباحث)
(85) قیاس واجتہاد اور مجتہدین اسلام (قیاس واجتہاد کے شرائط ولوازم کا بیان)
(86) اجماعی مسائل اور مجتہدین اسلام (اجماعی مسائل سے اختلاف ناجائز ہونے کا ذکر)
(87) دفع الاعتراضات حول المزارات (مزارات سے متعلق وہابیوں کے نظریہ کا ابطال)
(88) الطاری الداری اور علامہ عبد الباری (شبہ کے سبب تکفیر کلامی سے انکار کی بحث)
(89) الملفوظ پر اعتراضات کا محاسبہ (الملفوظ پر دیابنہ کے سوالوں کے جواب)
(90) سلفیوں کا اجتہاد باطل (غیر مقلدین کے عجیب وغریب فقہی مسائل)
(91) احادیث ضعیفہ اور احکام فقہیہ (ضعیف حدیثوں سے فقہی احکام کے ثبوت کا بیان)
(92) اسباب اختلاف مجتہدین (مجتہدین اسلام کے فقہی اختلافات کے اسباب وعلل)
(93) الفیوضات الصمدیۃ فی القواعد الفقہیہ (الاشباہ والنظائر کے قواعد کی تسہیل وتلخیص)
(94) تخصص فی القواعد: ابتدائی اسباق (شعبہ تخصص فی العقائد کے ابتدائی اسباق)
(95) اعتقادی مسائل اور تقلید مجتہدین (اعتقادی مسائل میں امام مجتہد کی تقلید واجب نہیں)
(96) عہد حاضر کے بد مذہب فرقے (عہد حاضر چند بد مذہب فرقوں کا بیان)
(97) ہندی فتاویٰ پر تصدیقات حرمین (اسماعیل دہلوی اور عناصر اربعہ کے کفریات)
(98) اشعریہ وماتریدیہ (اہل سنت وجماعت کے دونوں طبقات کا تعارف)
(99) کفر کلامی: اقسام واحکام (کفر کلامی کے اقسام واحکام کا تفصیلی بیان)
(100) تحذیر الناس اور تجویز عقلی (تعلیق بالمحال اور تجویز عقلی کا بیان)
(101) ختم نبوت اور نبی جدید (آخری نبی کے نبی جدید کی آمد محال بالذات)
(102) کفایۃ الطالب فی حکم ابی طالب (ابوطالب کے کفر کے اجماعی ہونے کا بیان)
(103) ایضاح المطالب فی نجاۃ ابی طالب (ابوطالب کی ناقص نجات کا بیان)

متفرق کتب ورسائل

(1) آزاد بھارت کی سیاسی تاریخ (بھارت کی مرکزی حکومتوں کی مختصر تاریخ)

(2) دیوان لوح وقلم (دفتر اول) (مذہبی وغیر مذہبی مضامین کا مجموعہ)

(3) دیوان لوح وقلم (دفتر دوم) (مذہبی وغیر مذہبی مضامین کا مجموعہ)

(4) مدارس اسلامیہ: نصاب ونظام (مدارس کے نصاب ونظام پر تبصرہ وتجزیہ)

(5) تعلیمی مسائل (دینی وعصری تعلیم سے متعلق مضامین)

(6) قومی مسائل (بھارتی مسلمانوں کے ملی وسیاسی مسائل)

(7) البیان الکافی فی حیاۃ الشافعی (امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت مبارکہ)

(8) تاریخ آمد رسول (تاریخ ولادت اقدس کا تعین اور جواز میلاد کی بحث)

(9) امام احمد رضا کے پانچ سو باسٹھ علوم وفنون (پانچ سو باسٹھ علوم وفنون کی تفصیل)

(10) جنوبی کرناٹک اور حنفی وشافعی اتحاد (رویت ہلال واقتدا وغیرہ کے مسائل)

(11) تصانیف مجدد اسلام (امام اہل سنت کے سات سو چار رسائل کی فہرست)

(12) تجدید دین ومجددین (تجدید دین کی تشریح وتوضیح اور مجددین کی فہرست)

(13) عشق نبوی کے آداب ووسائل (عشق نبوی کے آداب واسباب کا بیان)

(14) سراج ملت: حیات وخدمات (حضرت سید سراج اظہر نوری کے حالات)

(15) تاریخ کیرلا (بھارت کی ریاست کیرلا کی مختصر اسلامی وسیاسی تاریخ)

(16) وہابیوں کی سیاسی بازی گری (وہابیوں اور دیوبندیوں کی سیاسی تاریخ)

(17) امام اعظم اور علم حدیث (علم حدیث میں امام اعظم کی مہارت کا بیان)

(18) ملک العلما اور صحیح البہاری (صحیح البہاری کا تعارف اور ضرورت)

(19) رفاعی کبیر: فضائل ومناقب (حضرت سید احمد کبیر رفاعی کے فضائل ومناقب)

(20) فقیہ زین الدین مخدوم شافعی (کیرلا کے مخدومی خاندان کے احوال و خدمات)

(21) شاہ محمد تیغ علی اور سلسلہ تیغیہ (حضرت شاہ محمد تیغ علی اور سلسلہ تیغیہ کے احوال)

(22) اسلامی کلمے اور مسنون دعائیں (اسلامی کلمے، دعائیں اور نمازوں کی نیتیں)

(23) جسم اقدس کا انتقال مکانی (روضہ مقدسہ سے جسم نبوی کو منتقل کرنے کی سازش)

(24) مفتی اعظم ہند: حیات و خدمات (حضور مفتی اعظم ہند کے مختصر حالات)

(25) تذکرہ فاتح بہار (سید ابراہیم ملک بیا غازی کے احوال و فضائل)

(26) سید ابوالہاشم: حیات و خدمات (قاری سید ابوالہاشم نالندوی کے احوال)

(27) امام اعظم: فضائل و مناقب (امام اعظم کے حالات و کمالات و محامد و محاسن کا بیان)

(28) امام مالک: فضائل و مناقب (امام مالک کے کمالات و فضائل کا بیان)

(29) امام شافعی: فضائل و مناقب (امام شافعی کے کمالات و محاسن کا بیان)

(30) امام احمد بن حنبل: فضائل و مناقب (امام احمد کے حالات و کمالات کا بیان)

(31) سیدہ نفیسہ مصریہ: فضائل و مناقب (سیدہ نفیسہ مصریہ کے احوال و فضائل کا بیان)

(32) احادیث اعمال و اخلاق (اعمال صالحہ و اخلاق حسنہ سے متعلق احادیث کا مجموعہ)

(33) کرامات اعلیٰ حضرت (امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کی چند کرامتوں کا بیان)

(34) تحفظ ناموس رسالت (تحفظ ناموس رسالت کے واقعات و حکایات)

(35) تقریظات و تأثرات (کتب و رسائل پر تقریظات و تأثرات کا مجموعہ)

(یہ ان کتابوں کی فہرست ہے جن کی پی ڈی ایف فائل دستیاب ہے)

اعلیٰ حضرت ایجوکیشنل اینڈ کلچرل
سوسائٹی (توپسیا، کلکتہ)